# اسلامی سیاست کا ابتدائی مطالعہ

شائع کردہ
پاکستان حسینی مشن راولپنڈی

۲ دو روپے

کتب خانہ پاکستان حسینی مشن (ر) کراچی

# اسلامی سیاست

کا

# ابتدائی مطالعہ

از


سیدہ رضیہ جعفری صاحبہ

ایم۔ اے (سیاسیات) بی۔ ٹی۔ ایچ۔ مسلم یونیورسٹی

علی گڑھ



قیمت
دو روپے

تعداد
ایک ہزار
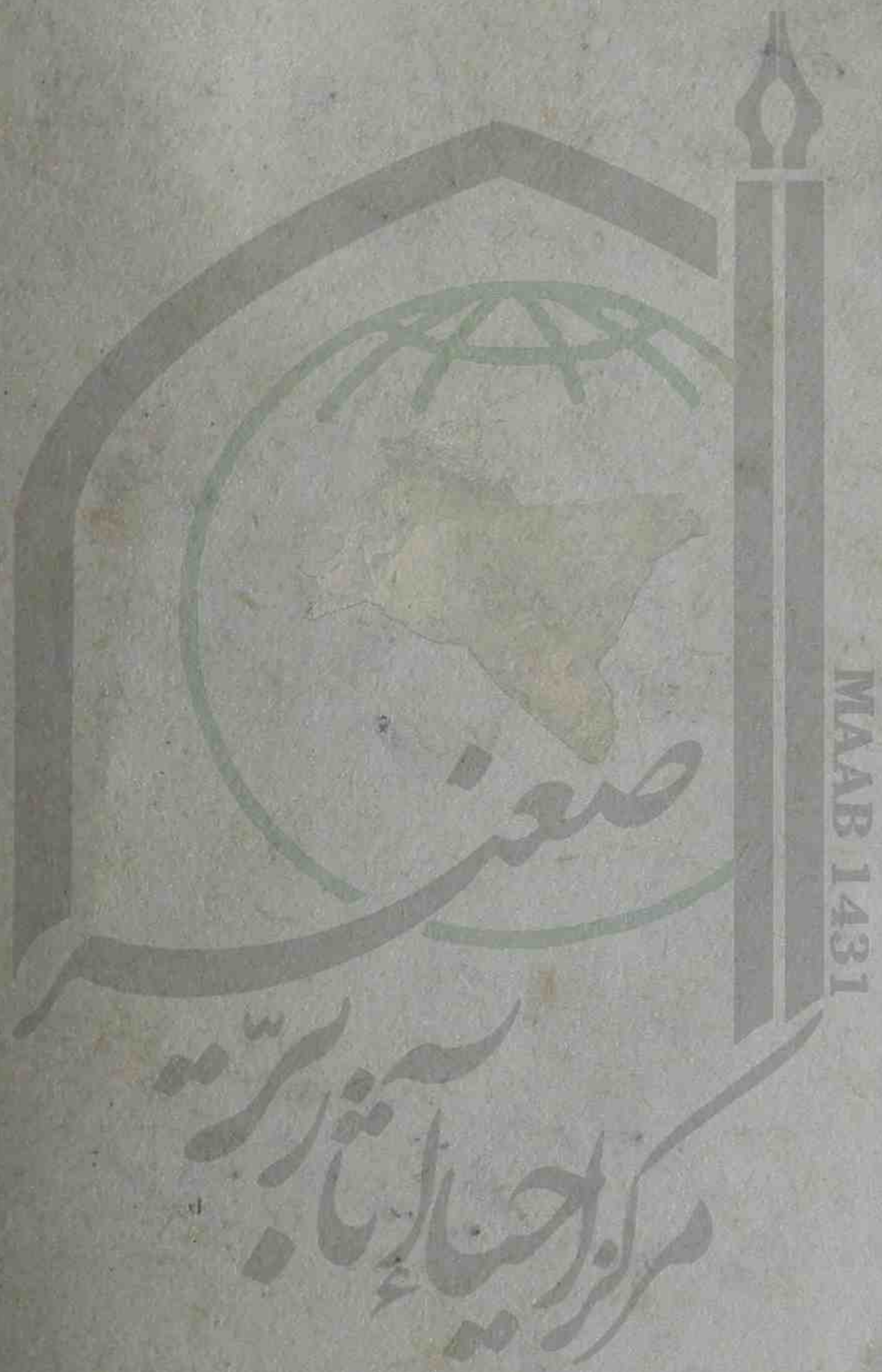
# کتاب کے موضوعات

## سیاست کا غیر اسلامی تصور اور اس پر تنقید

سیاسیات کیا ہے؟ ریاست کیا ہے؟ ریاست اور حکومت میں فرق، اجزائے حکومت، اقسام حکومت

## سیاست کا اسلامی تصور

اسلام کا نظریۂ حکومت اور مختلف مکاتبِ خیال

## اسلامی سیاست کا صحیح تصور

خلافتِ الٰہیہ، خلافتِ الٰہیہ کا مختصر خاکہ، مادی اور الہامی نقطۂ نظر میں فرق، زندگی پر انکارِ خدا کے اثرات و شرک کے نقصانات، ایک خدا پرست اور ملحد کے کردار میں فرق، حکومتِ الٰہیہ کا مقصد۔

# رسولؐ نے کیا نظامِ حکومت پیش کیا

## جنابِ رسالتمآب کا ملکی انتظام

داخلی تنظیم:- افتاء، صیغۂ عدل، صیغۂ احتساب، حکام اور عمال کا تقرر، محصلینِ زکوٰۃ وجزیہ

بیرونی تنظیم:- غیر قوموں سے معاہدے

## اسلامی سیاست میں جنگ کا مقام (تقابلی مطالعہ)

غیر اسلامی نقطۂ نظر

ہندو مذہب

بودھ مذہب

مسیحیت

اسلامی نقطۂ نظر

قتل بالحق اور قتل بغیر حق میں فرق، جہاد فی سبیل اللہ

فضیلتِ جہاد کی وجہ، نظامِ تمدن میں جہاد کا درجہ

مدافعانہ جنگ، مذاہب اربعہ کی تعلیم اور اسلام

کی تعلیم پر مقابلۃً ایک نظر، جنگ اور تہذیبِ جدید

## عہدِ رسولؐ کے غزوات اور ان کی سیاسی توجیہ

غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ خندق، صلح حدیبیہ

غزوۂ خیبر، اور غزوۂ حنین

# حضرت علی کا سیاسی مقام اور باقی آئمہ طاہرین کا ذیلی تذکرہ

## حضرت علی ابن ابی طالب

فضائل و کمالات حضرت علیؑ، وفات رسولؐ کے بعد کیا ہوا؟ حضرت علیؑ نے عملی طور پر کیا مثالیں پیش کیں، حضرت علیؑ کا نظریۂ حکومت، حضرت علیؑ کا طرزِ عمل دورِ خلفائے ثلاثہ میں، حضرت عثمان اور ان کے قتل کے اسباب، خونِ عثمان، جنگِ جمل، جنگِ جمل کا منظر، جنگِ جمل کے بعد، جنگِ صفین، جنگِ صفین کا منظر، جنگِ صفین کے بعد، جنگِ نہروان، خوارج، جنگِ نہروان کا پس منظر، جنگِ نہروان کا منظر، جنگِ نہروان کے بعد، حضرت علی کا نظریۂ امن و جنگ

## حضرت علی کی داخلی تنظیم

لشکر کے حقوق، اہلِ دفتر کے حقوق، قاضی اور

اُس کی تعریف ، عمالِ ملکی ، اہل جزیہ ، تجار ، اہلِ صنعت ، محتاج اور فقراء

## حضرت علیؑ کا نظامِ ملکی

چند اہم صیغے ، صیغۂ تحصیلِ خراج ، زکوٰۃ وصدقات کا صیغہ ، جزیہ کی تحصیل کا صیغہ ، عدالت کا صیغہ فوج ولشکر کا صیغہ ، صیغۂ بیت المال ، صیغۂ تعلیم وارشاد وہدایت۔

## باقی آئمہ طاہرینؑ

امام حسنؑ بن علیؑ ابن ابی طالبؑ ، امام حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ ، امام زین العابدین علیہ السلام ، امام محمد باقر علیہ السلام ، امام جعفر صادق علیہ السلام امام موسیٰ کاظمؑ ، امام محمد تقیؑ ، امام علی نقی ، امام حسن عسکری علیہم السلام ، امام مہدی آخر الزمان عجل اللہ فرجہٗ

## پیش لفظ

پاکستان حسینی مشن راولپنڈی کوئی تجارتی ادارہ نہیں بلکہ جدید تقاضوں کے ماتحت بہترین اہلِ قلم حضرات سے لٹریچر لکھوا کر شائع کرنا اور کم و بیش لاگت کے برابر قیمتوں پر اہلِ علم کے ہاتھوں تک پہنچانا

اس کا مقصدِ وحید ہے

اس کتاب کے صفحہ ۲۳۶ پر حسینی مشن کی مطبوعات کی جو فہرست ہے اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قلیل سی مدت میں یہ ادارہ کتنا مفید کام کر چکا ہے

حسینی مشن کے اغراض و مقاصد میں جدید اندازِ فکر کے مطابق دینی لٹریچر کی اشاعت ہی کا انتظام کرنا نہیں بلکہ تفسیر و ترجمہ قرآن کریم حدیث، فقہ، تاریخ اور دوسری ضروری مذہبی کتب کی طباعت و اشاعت کر کے مناسب قیمتوں پر اہلِ علم تک پہنچانا بھی ہے۔ دعا کیجئے کہ اراکینِ مشن اپنے مقاصد میں جلد از جلد کامیاب ہوں۔

ناظم شعبۂ نشر و اشاعت
پاکستان حسینی مشن راولپنڈی
یکم ستمبر ۱۹۵۶ء
مطابق ۲۴ محرم الحرام ۱۳۷۶ھ

# گذارش

اسلامی سیاست پر کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس میں آئمہ اہل بیتؑ کا نقطۂ نظر پیش کیا گیا ہو۔ میرا ارادہ تھا کہ کتاب کے مضامین کو تین حصوں میں تقسیم کروں (۱) اسلامی سیاست آغازِ اسلام سے حضرت علیؑ کے عہد تک (۲) اسلامی سیاست، واقعۂ کربلا سے امامِ عصرؑ کی غیبتِ صغریٰ تک (۳) اسلامی سیاست، امامِ عصرؑ کی غیبتِ کبریٰ کے اوائل سے عہدِ حاضر تک، لیکن مضمون کے پہلے ہی حصہ نے کافی صفحات گھیر لئے اس لئے باقی حصوں کو آئندہ کے لئے اٹھا رکھا گیا۔ حالانکہ یہ حصہ بھی ناتمام ہے جن گوشوں پر تفصیلی نظر ڈالنی چاہیئے تھی، ان کا موقع نہیں ملا گویا یہ کتاب اسلامی سیاست کا ایک سرسری اور ابتدائی مطالعہ ہے پھر بھی میں نے اس رسالہ میں اسلامی سیاست کا ایک دھندلا سا خاکہ پیش کرنے کی جرأت کی ہے۔ میری زندگی کے وہ ۲ دو سال مجھے بہت عزیز ہیں جن میں مجھے شب و روز اسلامیات کے مطالعہ کا موقع ملا۔ میں نے مسلم یونیورسٹی علیگڈھ میں داخلہ لیا اور مجھے دنیائے اسلام کے مشہور و معروف صاحبِ فکر جناب ڈاکٹر مجتبےٰ احسن صاحب قبلہ کامون پوری مجتہد العصر

ناظم شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڈھ سے استفادہ کا موقعہ ملا۔ موصوف کی رہنمائی میں اسلامیات کے مختلف موضوعات پر سینکڑوں کتابیں میری نظر سے گزریں۔ مجھے مطالعہ کرنے، سوچنے اور لکھنے کے بہترین مواقع حاصل ہوئے۔ زیرِ نظر رسالہ بھی علامہ محترم کی تقریروں، تحریروں اور تصنیفوں سے متاثر ہے۔ اسلامی تاریخ فرقہ وارانہ تعصب کی نذر ہو کر فکرِ مردہ بن گئی ہے۔ آزاد خیالی کے ساتھ بحث و نظر کی عادت نہیں رہی۔ اس رسالہ میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ اختلافی مسائل کو نظرانداز کر دیا جائے تاکہ اسلامی اتحاد کے بہترین ثمرات سے ہم محروم نہ ہونے پائیں اور تعمیری خدمات پر اپنی توجہ مرکوز رکھ سکیں۔ خدا مجھے دین و ملت کی خدمت کے بہترین مواقع فراہم کرتا رہے۔

سیدہ رضیہ جعفری

بنتِ سید تفضل حسین صاحب

# سیاست کا غیر اسلامی تصوّر

# اور

# اس پر تنقید

## (الف) سیاسیات کیا ہے؟

سیاسیات سیاسی مظاہرہ کا علم ہے۔ یہ حکومت یا ریاست سے بحث کرتا ہے۔ یہ ایک تاریخی معلومات کا نتیجہ ہے کہ ریاست کیا تھی۔ کیا ہے اور کیا ہونی چاہیے۔ علمِ سیاست ہمیں یہ بتاتا ہے کہ ملک کے انتظامی امور کو کس طرح چلایا جا سکتا ہے۔ یہ علم ریاست سے متعلق ہے اور ریاست اور اس کے متعلقہ اجزاء سے بحث کرتا ہے۔

مختلف ماہرین سیاست نے اس کی مختلف تعریف کی ہے۔

۱۔ سوئٹزرلینڈ کا مشہور عالم بلنٹ شی: اس کی تعریف اس طرح کرتا ہے کہ یہ ایسا علم ہے جس کا تعلق ریاست سے ہوتا ہے اور جو ریاست کو

اس کے حقیقی حالات اور انکشافات کے مختلف اشکال پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

(۲) پالی جے نیٹ مشہور سیاسی عالم سیاسیات کو علم عمرانی کا ایک ایسا شعبہ مانتا ہے جس میں ریاست کے ارتقاء اور حکومت کے اصولوں پر بحث ہو۔

(۳) سیلی کہتا ہے۔ سیاسیات حکومت کے مظاہرہ کی اس طرح تحقیق کرتی ہے جس طرح معاشرت، دولت کی، حیاتیات، زندگی کی، جبر و مقابلہ، علم ہندسہ کی اور علم اقلیدس سطح اور اس کی جسامت کی۔

(۴) ارسطو کا بیان ہے کہ سیاسیات اپنی نوعیت کے لحاظ سے عملاً محدود ہے اور ہر شہری ریاست تک اس کی وسعت ہے۔

(۵) بجے لی تک کہتا ہے علم سیاسیات کا مقصد اقتدار اعلےٰ کی بنیادی تعلیمات کا مطالعہ کرنا، ان حالات کا تجربہ کرنا جن کے تحت وہ متاثر یا اختتام پذیر ہوں اور داخلی حالات پر تحقیق کرنا ہے۔

(۶) ڈکو بھائی نے سیاست کو تین عنوان پر تقسیم کیا ہے۔ ریاست، حکومت اور قانون۔

(۷) سیجگ۔ سیاست کے مسائل کو دو مجموعی حصوں میں تقسیم کرتا ہے ایک وہ شعبہ ہے جو ریاست کی تنظیم سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا وہ شعبہ جو اس کے کاروبار سے متعلق ہے۔

(۸) پروفیسر فہری کہتا ہے۔ سیاسیات انسانوں کی ایسی زندگی سے بحث کرتی ہے جو حکومت و قانون کے ذریعہ منظم ہوئی ہو۔ اس کو عرفِ عام میں ریاست کہا ہے۔

علم سیاست کا موضوع مملکت ہے اور علم کے حدود و وسعت کا تعین ان تحقیقات سے پیدا ہوتا ہے جو مملکت سے متعلق ہوتی ہیں۔ ان تحقیقات کے اصناف حسب ذیل ہیں۔

(۱) مملکت، جس طرح کہ وہ اس وقت ہے۔

(۲) مملکت، جس طرح کہ وہ پچھلے زمانہ میں رہی۔

(۳) مملکت، جس طرح اسے ہونا چاہیئے۔

مملکت کی موجودہ کیفیات پر بحث کرنے کے یہ معنی ہیں کہ مملکت کے معنی، اس کے آغاز اور اس کے اوصاف کا تجزیہ کیا جائے۔

(ب) ریاست کیا ہے؟



مملکت یا ریاست افراد کی ایک ایسی منظم جماعت ہے، جس کے قبضہ میں ایک خاص ملک اور آزاد حکومت ہوتی ہے۔ سیاسی فلسفیوں نے اس کی تعریف مختلف طریقہ سے کی ہے۔

(۱) ارسطو کہتا ہے کہ ریاست کنبوں اور دیہات کی ایک متحدہ جماعت

ہے، جس کا یہ مقصد ہے کہ ضروریات کے مطابق مکمّل زندگی حاصل ہو۔

(۲) بلنٹشلی اور برگیس دونوں کا خیال ہے کہ ریاست لوگوں کی ایک سیاسی منتظم جماعت ہوتی ہے، جس کے قبضہ میں ایک خاص ملک ہوتا ہے۔

(۳) ووڈرو ولسن کا خیال ہے کہ ریاست محدود ملک میں انسانوں کی ایک ایسی منتظم جماعت ہوتی ہے، جو لوگوں سے قوانین کی پابندی کراتی ہے۔

(۴) گارنر نے ان تعریفوں میں اور اصلاح کی ہے۔ وہ کہتا ہے ریاست کم وبیش کثیر التعداد افراد کی ایک ایسی جماعت ہے جو ملک کے کسی خاص حصہ پر قابض ہوتی ہے اور تمام خارجی دخل اندازیوں سے آزاد اور ایک ایسی مستحکم حکومت کی حامل ہوتی ہے، جس کی اطاعت ملک کے کثیر التعداد باشندے کرتے ہیں۔

## (ج) ریاست اور حکومت میں فرق

ریاست اور حکومت کو بعض اوقات ایک ہی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن ان کے درمیان ایک حدِ فاصل ہے۔ "ریاست" سے مراد ایسے متعدد لوگوں کا اقتدارِ اعلیٰ رکھنے والا اتحاد ہے جو ایک مقررہ علاقہ میں

قیام پذیر ہوں اور جن کی تنظیم ایک حکومت کے ذریعہ ہوتی ہو۔

اس کے بالمقابل "حکومت" ریاست کا ایک عملی مظاہرہ یا تنظیم ہے اور ریاست کے لیئے لازمی ہے۔ روزمرہ کی بول چال میں حکومت اور ریاست کے الفاظ کو ہم معنی سمجھا جاتا ہے، لیکن سیاست کے لیئے اِن اصطلاحوں میں فرق کرنے کی ضرورت ہے۔ گورنمنٹ وہ مشین ہے جس کے ذریعہ ریاست کے اغراض و مقاصد پورے ہوتے ہیں۔ ریاست ایک مجرد تصوّر ہے اور حکومت ایک مادّی حقیقت ہے۔ حکومت بدل سکتی ہے اور فنا ہو سکتی ہے لیکن ریاست ایک مستقل اور پائیدار چیز ہوتی ہے ریاست سے تعلق کی بنا پر حکومت کو اقتدار حاصل ہے۔ بذاتِ خود اسے اقتدار حاصل نہیں ہے۔ اس کا اقتدار ریاست کا عطا کیا ہوا ہے۔

## (د) اجزائے حکومت

ریاست کے قیام کے لیئے چار اجزاء کی ضرورت ہوتی ہے۔ آبادی، مملکت، تنظیم اور اقتدارِ اعلٰے۔

(۱) آبادی:- یہ ظاہر ہے کہ ریاست کے لیئے جو کہ ایک انسانی ادارہ ہے، کسی نہ کسی قسم کی آبادی لازمی ہے۔ اس لیئے اگر آبادی نہیں ہو گی تو حکومت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ریاست کے لئے انسانوں

کی کوئی خاص تعداد مقرر کرنا ناممکن ہے کیونکہ دنیا میں ۵۰ لاکھ سے لے کر ۳۰ یا ۳۵ کروڑ تک آبادی پہنچی ہوئی ہے۔

(۲) مملکت:- اس طرح ایک مقررہ علاقہ کے بغیر ریاست کا وجود ناممکن ہے اور جس طرح آبادی کے لئے کوئی حد مقرر نہیں کی جاسکتی۔ اسی طرح علاقہ کی بھی حد بندی نہیں کی جاسکتی۔ آٹھ مربع میل سے لے کر ۹۰ لاکھ مربع میل تک ریاستوں کا رقبہ موجود ہے۔

(۳) تنظیم:- ایک ریاست کے وجود کے لئے حکومت کا وجود لازمی ہے۔ حکومت ریاست کی تنظیم کا نام ہے۔ اور یہی وہ وسیلہ ہے جس سے ریاست کی مرضی کا اظہار ہوتا ہے۔ کسی علاقہ میں جب تک سیاسی تنظیم نہ ہو صرف آباد ہونے کی وجہ سے اُسے ریاست کا نام نہیں دیا جاسکتا۔

(۴) اقتدارِ اعلیٰ:- ریاست کی تکمیل کے لئے اس عنصر کا پایا جانا بہت ضروری ہے۔ ایسے ادارے اور بھی موجود ہیں جن میں آبادی بھی پائی جاتی ہے۔ ایک علیحدہ علاقہ بھی ہوتا ہے اور حکومت کی تنظیم بھی ہوتی ہے لیکن ایسا ادارہ جس میں ان سب عناصر کے علاوہ اقتدارِ اعلیٰ بھی موجود ہو۔ صرف ایک ہوتا ہے۔ یعنی "ریاست"۔ اس کو داخلی اور خارجی دونوں اُمور میں اقتدارِ اعلیٰ حاصل ہوتا ہے اور اس کے اقتدارِ اعلیٰ

کا اظہار حکومت کے ذریعہ ہوتا ہے۔

## (۷) اقسامِ حکومت

مختلف قسم کی حکومتیں اب تک وجود میں آئی ہیں۔

(۱) ایک شخص کی حکومت ــــــــ ملوکیت

(۲) اشراف کی حکومت ــــــــ اشرافیت

(۳) بہت سے افراد کی حکومت ــــــــ جمہوریت

حالانکہ دنیا ان تینوں قسموں کے دائرے سے باہر نہیں نکلی ہے لیکن جب کبھی ان تینوں پر غور کیا جائے تو کوئی بھی عقلی اصول پر درست ثابت نہیں ہوتی۔

### (۱) ملوکیت

یہ ایک شخص کی حکومت ہوتی ہے۔ اس میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون سی خصوصیت ہے جس کی بدولت وہ اوروں پر فوقیت رکھتی ہے۔ لیکن سلاطین کی طرف سے یہ مشہور کیا گیا ہے کہ سلاطین کا طبقہ فطری طور پر ممتاز ہوتا ہے لیکن یہ غلط ہے۔ اکثر سلاطین سے یہ حق سلب کر لیا گیا ہے۔ وہ بدترین حالت میں دیکھے گئے۔ اور مورخ تو کبھی یہ بتلانے میں نہیں چوکتے کہ فلاں بادشاہ احمق تھا، بے رحم تھا یا خود غرض تھا۔

دوسرا سبب اس کا یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ قہر و غلبہ ہے۔ قہر و غلبہ کے ذریعہ حکومت ہونا تو تسلیم ہے مگر معیارِ حقانیت ہونا کسی طرح تسلیم نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس میں حکومت قائم ہو جاتی ہے لیکن قائم ہونا بھی چاہیئے یا نہیں یہ دوسرا سوال ہے۔ بہت سی باتیں ہو جایا کرتی ہیں، لیکن ان کا ہونا صحیح بھی ہے یا نہیں اس پر بحث کرنی ہے۔ مکان کھلا رہ گیا، چور سامان لے گئے۔ لیکن یہ مال ان کے لئے جائز نہیں اور اس کا بزور واپس لے لینا کسی طرح بھی ناجائز نہیں ہے۔ اسی طرح قہر و غلبہ سے حاصل شدہ حکومت اگر قائم کی گئی اور پھر رعایا نے اُسے واپس لے لیا تو اُس کا حصول کیوں کر جرم ہوا۔

(۲) اشرافیت

اب سوال پیدا ہوتا ہے "اشرافیت" کا، اس کے لئے بھی یہی ہے کہ اشراف میں کیا امتیازی خصوصیت ہے جس کی بدولت یہ اوروں پر حکومت کا حق رکھتے ہیں، جس طرح ملوکیت کے لئے کوئی دلیل نہیں ملتی اسی طرح "اشرافیت" کے لئے بھی کوئی دلیل نہیں ملتی۔



(۳) جمہوریت

تیسری قسم ہے بہت آدمیوں کی حکومت جسے "جمہوریت" کہتے ہیں۔ چند آدمی تمام قوم کا جزو ہیں۔ یا کل قوم ہیں۔ اگر جزو ہیں تو پھر وہی بات بحث طلب ہے کہ ان لوگوں کو باقی افراد پہ حکومت کا حق کیا ہے اور اگر یہ کل

قوم ہے تو خود پوری قوم حاکم ہے اور خود ہی محکوم، تو اس کا نتیجہ یہ ہے
کہ مفادِ حکومت ختم

دنیا کے سیاسی نظریوں میں جس قدر پُر فریب نظریۂ جمہوریت ہے اس
قدر کوئی بھی نہیں۔ بظاہر اس میں خوف کا نام و نشان بھی نہیں۔ اس
میں شخصی آزادی کی حفاظت ہوتی ہے جس میں انسانیت کی قدر و قیمت
پہچانی جاتی ہے اور جس میں غربت و امارت کا کوئی سوال باقی نہیں رہتا
لیکن جب اس کے باطن پر نظر کی جائے تو حقیقت اس کے برعکس ہے۔
انسان اپنے آپ کو آزاد سمجھتا ہے لیکن شخصی آزادی کا گلا گھونٹ دیا جاتا
ہے اور جس میں کمزور اور غریب کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔

(۱) جمہوریت کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ اس میں اجتماعی ارادہ
(GENERAL WILL) کی فرمانروائی کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن اس میں
بڑا لوچ ہے۔ یہ ذرا سے دباؤ سے اپنی شکل بدل دیتی ہے۔ اس کو دھوکہ
دیا جا سکتا ہے، لالچ دیا جا سکتا ہے، اس کو مشتعل کیا جا سکتا ہے، لہذا
ایسی غیر مستقل چیز پر جس ریاست کی بنیاد رکھی جائے اس میں استحکام
کہاں؟

(۲) اجتماعی ارادہ کا ادبی، اخلاقی اور نفسیاتی تاثرات سے متاثر ہونا
یقینی ہے۔ ایسی حالت میں ریاست کے لئے کوئی مستقل اخلاقی معیار

اور قانون کے لئے کوئی پائیدار اخلاقی بنیاد نہیں رہتی۔

(۳) جماعتی تعصب اور گروہ بندی جمہوریت کے لئے ایک لازمی اور ضروری چیز ہے۔ اس مہلک مرض کا اثر یہ ہوتا ہے کہ حق گوئی اور حق پسندی کا وصف لوگوں میں مفقود ہو جاتا ہے۔

(۴) قانون سازی کے اختیارات جمہوریت میں درحقیقت صرف برسرِ اقتدار جماعت کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ اگرچہ بظاہر ریاست کی کل جماعتیں قانون بنانے میں حصہ لیتی ہیں۔

(۵) طاقتور اور برسرِ اقتدار جماعت مخالف پارٹی کو دبانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتی ہے۔ اس وجہ سے جمہوریتوں میں ہمیشہ تفرقہ کی آگ سلگتی رہتی ہے۔ اور خانہ جنگی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

(۶) جمہوریت میں ایک جماعت محض اس بنا پر صاحبِ اقتدار بنا دی جاتی ہے کہ وہ دوسری سے تعداد میں زیادہ ہے۔ یہ چیز انصاف و عدل سے خالی ہے۔ یہ کبھی نہیں مانا جا سکتا کہ صرف تعداد کی اکثریت حکمرانی کا حق پیدا کر دیتی ہے۔

پھر ایک بحث یہ بھی ہے کہ جمہوریت میں، جیسا کہ کہا جاتا ہے، بس انتظام عوام کی رائے سے ہوتا ہے۔ تو عوام کی رائے معلوم کرنے کا ذریعہ

کیا ہے؟ لیکن یہ ضروری نہیں کہ عوام میں رائے دینے کی صلاحیت ہو بھی۔ عوام عموماً رائے دینے میں خواص کے زیر اثر ہوتے ہیں جو اُن کو یہ یقین دلا دیتے ہیں کہ یہ سب کچھ ان کی مرضی سے ہو رہا ہے۔

مختصر یہ کہ ان تمام نظریوں میں ایک بھی صحیح نہیں مانا جاسکتا۔

## معاہدۂ معاشرتی کا نظریہ:-

اب آیا "معاہدۂ معاشرتی کا نظریہ" تو اول تو اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملتا اور اگر ہوا بھی تو اپنی ضروریات کے ماتحت ہر فرد نے اپنی فطری اور قدرتی آزادی کو ختم کر کے ایک معاہدہ کیا۔ حالانکہ یہ معاہدہ جبراً نہیں ہوا۔ تاہم تمام اختیارات ایک شخص کے حوالے کر دیئے گئے جو با اثر تھا لیکن وہ شخص اقتدارِ اعلیٰ بنایا گیا۔ اپنا کنبہ، عزیز و اقربا الگ ضرور رکھتا ہوگا اور یہ بھی طے ہے ———— کہ اس کی ذاتی خواہشات بھی ہوں گی۔ لہٰذا وہ بے غرض ہو کر مساوی خدمات انجام نہیں دے سکتا اور پھر ایک انسان کو کیا حق ہے کہ وہ خدا کی پیدا کی ہوئی مخلوق پر قوانین بنانے کا حق رکھتا ہو۔ جو شخص جس چیز کو بناتا ہے، وہی اس کی اصلیت کو پہچانتا ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ حکومت کرنے والا ایسا ہو جو ذاتی خواہشات سے مبرا ہو۔ ایک فرقہ یا قوم نہیں تمام دنیا اس کی نگاہ میں یکساں ہو اور بلا رعایت نہایت بے غرض احکام نافذ

کرے اور یہ سوائے خدا کے کوئی اور نہیں کر سکتا۔
معاہدۂ معاشرتی کا نظریہ ایک انسان کو حقِ حکومت دیتا ہے جو شخصی اقتدار قائم کرکے مطلق العنان بن جاتا ہے کیونکہ وہ معصوم نہیں اور یہاں ضرورت معصوم کی ہے جو بے غرض ہو۔

---
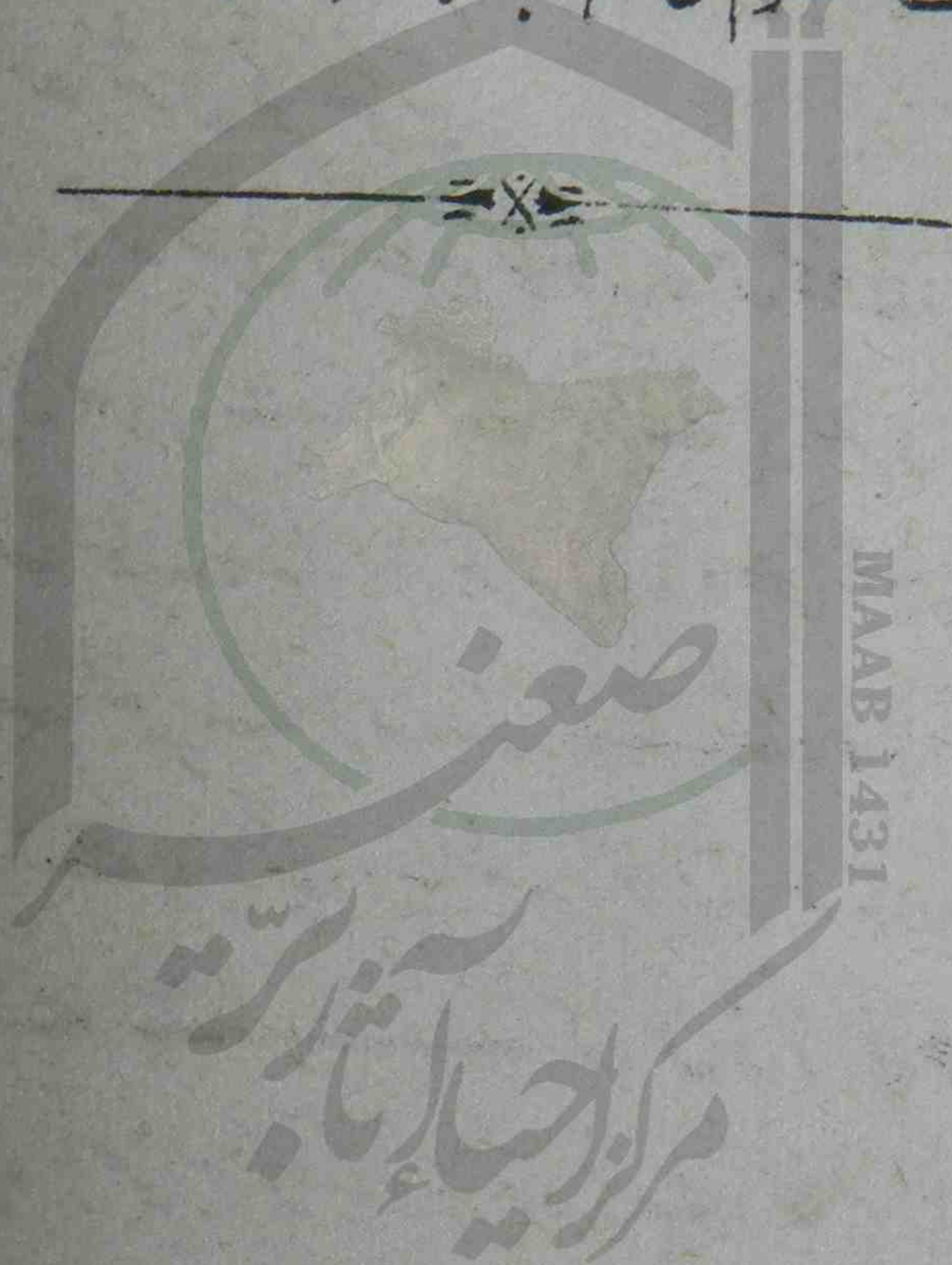
# سیاست کا اسلامی تصوّر

## اسلام کا نظریۂ حکومت اور مختلف مکاتبِ خیال

معلوم یہ ہوا کہ دنیا نے جتنی بھی حکومت کی شکلیں تجویز کیں ان میں سے کوئی بھی کسی مستحکم بنیاد پر قائم نہیں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آخر اسلام کا نظریۂ حکومت کیا ہے؟

مسلمانوں نے اقتدارِ اعلیٰ کے تقرر کے مختلف طریقے اختیار کیے۔ کبھی ایک جلسہ میں حاکم کا انتخاب ہوا۔ اور کبھی سابق کے حاکم نے اپنے بعد والے کو نامزد کر دیا اور کبھی اس نے ایک کمیٹی مشورہ کے لئے بنا دی اور کبھی بزورِ شمشیر اقتدار حاصل کر لیا گیا۔ جیسا ہوتا گیا ویسے ہی اصول بنتے گئے یعنی:

(۱) اجماع

(۲) استخلاف

(۳) شوریٰ

(۴) قہر و غلبہ

اجماع

اس سے مراد تمام رقبۂ مملکت کے افراد کا اتفاق یا صرف دار السلطنت کے کل افراد کا اتفاق یا وہاں کے بھی صرف اتنے افراد کا اتفاق جو ایک جماعت کے حامی ہوں یا ان میں سے بھی بعض کا اتفاق ہے جو متفق ہو گئے ہوں۔

اگر کل افرادِ مملکت مراد ہے تو ظاہر ہے کہ ان تمام افراد کی رائے کا معلوم ہونا اس زمانہ میں بھی مہینوں کا کام ہے اور پھر اس زمانہ میں تو برسوں کا کام تھا۔ کیسے ایک دن میں انجام پا سکتا تھا اور پھر عقلی طور پر کتنے ہی کثیر افراد ہوں ان میں سے سب کے فیصلہ کا درست ہونا بھی اس پر موقوف ہے کہ ان میں کوئی ایک معصوم مانا جائے ورنہ وہ غلطی سے بری نہیں۔



اور اگر دار السلطنت کے کل افراد ہیں تو انہیں حق کیا ہے کہ وہ باقی افراد کی آزادی کو سلب کر کے کسی حکومت کو ان پر مسلط کر دیں اور دوسروں کو سوچنے کا موقع بھی نہ ملے۔ ظاہر ہے ایسا فیصلہ نہ جمہوری ہے نہ عقلی طور پر جائز ہے۔

اجماع کی صحت پر مسلمانوں کے بعض مکتبِ خیال یہ حدیث رسولِ خدا
کے نام سے پیش کرتے ہیں۔

رسولؐ نے فرمایا ہے کہ میری اُمت کبھی گمراہی میں مجتمع نہیں ہو سکتی یا غلطی پر متفق نہیں ہو سکتی۔" اگر یہ حدیث سند کے اعتبار سے بالکل درست ہو تب بھی اس میں تمام اُمت کے اجتماع کا ذکر ہے۔ چند افراد کا جمع ہونا اس میں مذکور نہیں۔ معلوم ہوا کہ "اجماع" جس معنی سے معیارِ حکومت قرار دیا گیا ہے اس کی صحت پر کوئی عقلی یا نقلی دلیل نہیں ملتی۔

"استخلاف"

اس کی بنیاد اِس حکمران کے حقِ حکومت پر ہے جو دنیا سے جا رہا ہے اور جب کہ اس کی حکومت کے جواز کا کوئی ثبوت نہیں تو استخلاف کا کیا حق اس سے حاصل ہو گا؟

"شوریٰ"

اسکے بعد شوریٰ ہے یعنی کسی حاکم کا اقتدارِ اعلےٰ کے انتخاب کے لئے کوئی جماعت نامزد کرنا۔ لیکن جو باستخلاف معین ہوا تھا اور جس کا خود حاکم ہونا ایک ایسے حاکم کی نامزدگی سے تھا جس کی حکومت خود اپنے محل پر ثابت نہیں ہے وہ کس طرح یہ حق کسی پارٹی کے حوالے کر سکتا ہے۔

"قہر و غلبہ"

یہ وہی طاقت کا نظریہ ہے جس کو غلط ثابت کیا جا چکا ہے۔ اب پھر

سوال یہ ہے کہ اقتدار اعلیٰ کے تعین کا اسلامی طریقہ کیا ہے؟ ہمارا
جواب یہ ہے کہ وہ خدا اور رسول کی طرف سے کسی "پُر نص" کا طریقہ ہے

# اسلامی سیاست کا صحیح تصوّر

## خلافتِ الٰہیہ

سب انسان خدا کے پیدا کئے ہوئے ہیں سب شخصی اعتبار سے
یکساں ہیں۔ کسی کو حق نہیں کہ اوروں پر حکومت کرے۔ انسان کوتاہ نظر
ہے صرف گرد و پیش کے حالات دیکھ کر ایک نظریہ قائم کر لیتا ہے جب
وہ تجربہ کرنے پر غلط اور نقصان دہ ثابت ہوتا ہے اُسے چھوڑ دیا جاتا
ہے اور پھر قیاس آرائیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ نتیجہ کے طور پر امن و سکون
ناپید ہو جاتا ہے لیکن خدا عالم الغیب ہے۔ وہ گذشتہ اور آئندہ کے
واقعات سے باخبر ہے۔ تمام عالم اس کے لئے یکساں ہے اُس کا "قانون

---

۵ اس موضوع پر حضرت علامہ کاموں پوری دام ظلہ، کی کتاب "خلافتِ الٰہیہ
شائع ہو گئی تو تاریخ کے سینکڑوں نکتے سامنے آئیں گے۔

عالمگیر ہوتا ہے۔ چونکہ خدا کی ذاتی اور نفسی خواہشات نہیں اور نہ وہ قومی اور نسلی قیود کا پابند ہے۔ اس کے قوانین فلاحِ عام کے لیئے ہیں اس کی عدالت کے سامنے مکر و فریب کو دخل نہیں۔ آج کی دنیا میں جھوٹی گواہیوں اور شہادتوں سے مجرم معاف کر دیئے جاتے ہیں اور بے گناہ موردِ الزام ٹھہرائے جاتے ہیں۔

ایک شخص حکومتِ وقت سے چھپ کر گناہ کر سکتا ہے۔ بڑے بڑے قانون بے کار ثابت ہوتے ہیں۔ قانون کس لیئے بنایا جاتا ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ توڑنے کے لیئے۔ ایک قانون کو توڑا جاتا ہے دوسرا اس سے زیادہ اور سنگین اور مضبوط نافذ کر دیا جاتا ہے۔ مضبوط اور قانون شکن بالکل اسے بھی نہیں چھوڑتے۔ یہ قوانین ہم پر ظاہری قیود لگا سکتے ہیں لیکن اللہ کا قانون ہمارے ضمیر پر حاوی ہوتا ہے اور ہمارا ضمیر خود ہمیں ہر گناہ سے روکتا ہے۔ ایک شخص نے چھپ کر کوئی چیز چرائی۔ حکومتِ وقت سے تو اس نے اپنے آپ کو محفوظ کر لیا لیکن وہ کاتب جو دونوں کاندھوں پر ہیں۔ اُن سے کسی طرح اپنے آپ کو محفوظ نہ کر سکا۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ گناہ حاکمِ اعلےٰ یعنی اللہ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اُس کا ضمیر اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ جرم ہو چکا ہے اور اس جرم کی سزا اُس کو بھگتنی ہے۔ لہذا یہ ثابت ہوا کہ خلافتِ الٰہیہ ان تمام قسم کی حکومتوں

کا جو انسانوں نے سوچیں اور ان پر عمل پیدا ہوئے ردِ عمل ہے اور ایک اعلیٰ ترین قسم کی حکومت ہے۔

اس حکومت میں قانون ساز بھی اللہ ہے اور حاکم بھی صرف وہی ہے۔ ایک مسلم، اسلام کے ساتھ ہی اُس کی اور صرف اُس کی بادشاہت کو تسلیم کرتا ہے اور کسی دوسرے کو حکومت دینا اللہ کے حق کو غصب کرنا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان کسی دوسرے کا محکوم نہیں۔ اب رہ گیا اللہ تو اس کی اطاعت فطری طور پر کرنی ضروری ہے۔ لیکن خدا چونکہ ہم تک پہنچ کر بات نہیں کر سکتا، اس لیے ایک واسطہ کی ضرورت ہے یہی "رسول ص" ہے اور اُس کا کام احکامِ الٰہی کا پہنچانا ہے۔ اُس کا کوئی اپنا ذاتی حکم نہیں ہے۔ اسی مقصد کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آئے سرورِ عالم جناب محمد مصطفےٰ آخری نبی تھے۔ لیکن یہ ضروری تھا کہ ان کے بعد ان کے نظام کے تحفظ و بقا کے لئے ایسی صفات کے انسان ہوں جن کا تقرر بھی من جانب اللہ ہو۔ لہٰذا ان کے بعد دنیا میں بارہ امام آئے۔ جن میں سے ہر ایک ذہن و اخلاق و معاشرت و تدین کے لحاظ سے اپنے عہد میں افضل بشر تھا۔

خلافتِ الٰہیہ کا مختصر خاکہ

ریاست اور حکومت کا اسلامی تصور دنیا کے کل سیاسی تصورات

ت بالکل انوکھا ہے۔ نازیت، اشتراکیت وغیرہ کل غیر اسلامی نظریات کی حالت یہ ہے کہ ان کی بنیادیں کھوکھلی اور کمزور ہیں اور ان کے فوائد سطحی، وقتی اور قلیل اور مصائب بے حد ہیں۔ ان کا نتیجہ تباہیاں اور پریشانیاں ہیں۔ اس کے بالکل برعکس اسلامی نظریہ کی بنیاد مضبوط، مستحکم اور ٹھوس منطقی دلائل پر قائم ہے۔ اس کے فوائد بہت اور اس کا دامن مضرت سے بالکل پاک ہے۔ اس کا نتیجہ دائمی امن و امان ہے

اسلام انسانی حکومت اور فرمانروائی کا قائل نہیں ہے بلکہ دنیا میں اللہ کی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔ اسلام کی روح ارتقاء اور عروج ہے لیکن وہ وہی اور عارضی ارتقاء نہیں جو غیر مسلمین کا نصب العین اور منتہائے فکر رہا ہے۔

آزادی و مساوات کا حقیقی وجود صرف حکومتِ الٰہیہ ہی میں ممکن ہے۔ اس لیے کہ وہاں کسی ادنےٰ سے ادنےٰ انسان کے خیالات، اعمال اور افعال کسی فرد یا جماعت کے تابع نہیں ہوتے بلکہ صرف خدا کے احکام اور تعلیمات کے تابع ہوتے ہیں۔ اسلامی حکومت کی بنیاد ہی اصلاحِ اخلاق پر قائم ہے۔ حکومتِ الٰہی نہ صرف یہ کہ ارتکابِ گناہ سے مانع ہوتی ہے بلکہ اندھیری کوٹھڑی میں بھی بُرے اخلاق و افعال کے ارتکاب کو روکتی ہے۔ گناہوں کی روک تھام وہاں ظاہر میں ہی نہیں

باطن میں بھی ہوتی ہے اس لئے کہ خلافت الٰہیہ ان بنیادوں کو منہدم کر دیتی ہے جن پر بدکرداری کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔
الٰہی حکومت میں اور اسلامی ریاست میں کوئی قانون بنانے کا مجاز نہیں ہے بلکہ ہر شخص کو قانونِ الٰہی کی پیروی کرنی پڑتی ہے۔ اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ حکومت اور پبلک میں یک جہتی اور باہمی تعاون اور ہمدردی کی روح پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے ریاست بہت ترقی کرتی ہے۔
اس کے علاوہ قانون کے نفاذ میں کوئی دشواری پیدا نہیں ہوتی اس لئے کہ سوسائٹی میں اطاعت کا جذبہ موجود ہوتا ہی ہے۔

---

# سیاست کے مادّی اور الہامی نقطۂ نظر میں فرق

مادّی نقطۂ نظر کے ماتحت انسان یہ سمجھتا ہے کہ جہاں تک اس کا تعلّق ہے وہ صرف موجودہ دنیا سے ہے۔ اگر اس میں راحت و آرام نصیب نہ ہوا تو زندگی کا کچھ حاصل نہیں۔ لہٰذا وہ ہر طرح اپنے آپ کو خوش رکھنا چاہتا ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے سینکڑوں گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے۔ اسے یہ ڈر نہیں کہ یہاں کی سزا اُسے دوسری لازوال دُنیا نہ ملے گی اور وہ مستقبل میں لطفِ زندگی سے محروم ہو جائے گا۔

## زندگی پر انکارِ خدا کے اثرات اور شرک کے نقصانات

اگر خدا کا تصوّر نہ ہو تو دنیا بے رونق ہو جائے۔ منکرِ خدا صرف یہ سوچتا ہے کہ فی الحال جو چیز اس کے سامنے ہے اُس سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اُس کو آئندہ کوئی نفع ملنے کی اُمید

نہیں ہوتی۔ یہ لوگ زندگی سے گھبرا کر (اور چونکہ موجودہ زندگی ہی ان کے نزدیک سب کچھ ہے) اس سے غیر مطمئن ہو کر خودکشی تک کر لیتے ہیں اپنی زندگی کو مطمئن بنانے کے لئے فتنہ و فساد اٹھاتے ہیں۔

منکرِ خدا کے نزدیک یہی ایک زندگی ہوتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر یہ بے نتیجہ ہے تو زندگی کی لذت ختم ہو گئی۔ لہٰذا اس لذت کو حاصل کرنے کے لیئے وہ جیب کاٹتا ہے، چوری کرتا ہے۔ صرف اتنا سوچتا ہے کہ حکومتِ وقت سے اس کے جرائم پوشیدہ رہیں۔ خوب کھاتا پیتا ہے اس سے مطلب نہیں کہ کوئی اس کی وجہ سے پریشان ہوگا یا کسی کو نقصان پہنچے گا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جرائم بڑھ جاتے ہیں۔ کمزور اور غریب کی زندگی زیادہ تلخ ہو جاتی ہے۔ خود پرستی، خود غرضی اور نفس پرستی رنگ لاتی ہے۔ زندگی تاریک ہو کر رہ جاتی ہے۔

منکرِ اللہ، خدا ایسے رہبر اور مربی کا تعاون حاصل نہ کرنے کی صورت میں تاریکی میں گھر جاتا ہے۔ اُسے اندھیرے میں کوئی راہ نہیں ملتی، اپنی عقل سے ایک راستے پر لگ جاتا ہے لیکن انسانی عقل ناقص ہے۔ انسان غلطی کے لئے ہے۔ جب دیکھتا ہے کہ یہ راہ پُرخطر ہے، بے سود ہے، اس کے عیوب اُس پر واضح ہو جاتے ہیں تو اُس سے واپس لوٹتا ہے اور دوسری راہ تلاش کرتا ہے۔ اس عالمِ تاریکی میں گھبرا کر ہاتھ پاؤں

مارتا ہے۔ زندگی فضول اور بے رونق ہو کر رہ جاتی ہے۔

## خدا پرست اور ملحد افراد و معاشرہ کا کردار

ایک ملحد کی زندگی بے نتیجہ ہے۔ اُسے یہاں کا نتیجہ اور حاصل کہیں اور ملنے کی اُمید نہیں۔ وہ اپنی زندگی پُر لطف بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے برعکس ایک خدا پرست اس زندگی کی اتنی قدر و قیمت نہیں سمجھتا جتنی دوسری زندگی کی جو لازوال اور لافانی ہے۔ ملحد دنیا کی اذیتوں سے گھبرا جاتا ہے۔ جبکہ خدا پرست کے لیئے یہ اذیتیں لذت بن جاتی ہیں۔ اس کی مثال اُس طالب علم کی سی ہے جو اپنی زندگی میں شبانہ روز محنت کرتا ہے اور اس اُمید پر ہر طرح کی مصیبت جھیلتا ہے کہ آئندہ زندگی پرسکون اور بالذّت ہوگی

دوسری مثال اس مزدور کی ہے جو بوجھ بیکار اٹھاتا ہے اور اُسے یہ اُمید نہیں ہوتی کہ مزدوری ملے گی تو وہ بوجھ تھوڑا بھی اس پر گراں گذرتا ہے اور وہ ہر ممکن کوشش کرتا ہے کہ جلد اُسے سر سے پھینک کر اپنی گلو خلاصی کرے، اس کے برعکس وہ مزدور جس کو مزدوری کی اُمید ہوتی ہے دو من بوجھ بھی اُٹھا لیتا ہے۔ اُجرت کی اُمید اُسے پھول بنا دیتی ہے انجام پر نظر کرتا ہے اُسے بوجھ سے گھٹن نہیں لذت حاصل ہوتی ہے بالکل اسی طرح ایک خدا پرست تکلیفیں اٹھاتا ہے، دوسروں

کو کھلاتا ہے، خود نہیں کھاتا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اُسے معلوم ہے کہ یہی
چیزیں ضرورت کے وقت کام آئیں گی۔ ایک منکرِ آلہ کی زندگی بجھی ہوئی
ہے۔ اندھیری ہے، تاریک ہے۔ وہ سمجھتا ہے، انسان کیا ہے، کچھ بھی
نہیں۔ اس کی کیا ہستی ہے، تارِ نفس ٹوٹا، آواز بند ہو گئی۔ منکرِ آلہ سیلاب،
بیماری، زلزلہ کو دیکھتا ہے مصیبتیں دل کو بٹھا دیتی ہیں۔ کیونکہ اُمید کا
سہارا نہیں ملتا۔

لیکن ایک خداپرست اس وقت بھی جب کہ دنیا والے سہارا چھوڑ
جاتے ہیں۔ آخر وقت تک خدا پر بھروسہ رکھتا ہے۔ اس وقت جب کہ
سب کی نظریں پھر جاتی ہیں۔ اللہ پر اس کی نظریں جمی ہوتی ہیں، اس
کے دل کو طاقت ہوتی ہے کہ ہر آن حالات کی تبدیلی کا امکان ہے
ایک طاقت کا منبع اس کی پشت پر ہے۔ وہ اکیلا نہیں بے سہارا نہیں
اس کا پشت پناہ ہے۔

ایک ملحد کی زندگی اُس یتیم بچے کی سی ہے، جس کے ماں باپ نہ ہوں
اور سب راہیں اس پر بند ہو گئی ہوں۔

ایک خداپرست کی زندگی اس بچے کی سی ہے جس کے ماں باپ
ہوں اور ارتقار کے دروازے اس کے لئے کشادہ ہوں اور نہ ڈر ہو
نہ اندیشۂ مصیبت ہو۔ اور پھر اللہ تو سب سے بڑا مربی ہے۔ وہی

سرپرست ہے۔ اور جب کہ مربّی موجود ہے تو پھر کیا ڈر۔ کتنی طاقت ہے ماں باپ ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن وہ اب بھی ساتھ ہوتا ہے۔ انسان پر کسی جگہ مصیبت پڑ جائے اللہ ساتھ ہے اور محافظ ہے دل کو بھی تقویت ملتی ہے۔ اس کے برعکس ایک مُلحد پریشانیوں کو دیکھ کر اور اپنے آپ کو ان میں گھرا پا کر گھبرا جاتا ہے۔ زندگی سے بے آس ہو جاتا ہے اس لیئے کہ ان کی برداشت کی طاقت اپنے میں نہیں پاتا۔

ایک خدا پرست اور مُلحد کی زندگی اور کردار میں بہت فرق ہے اس کا مستقبل تاریک اور خدا پرست کا روشن ہے اسے ایک زبردست طاقت کا جو کہ تمام عالم پر قادر ہے تعاون حاصل ہے۔ اس کے نزدیک خدا نہایت ہی پیارا ہے۔ دیگر مذاہب جو قربانیاں اور بچوں کی بھینٹ دیتے ہیں تو اس سے خدا کو راضی کرنا مقصود ہے۔ یہ سب کچھ وہ خدا کی خوشنودی کے لیئے کرتے ہیں۔ خدا ان کے نزدیک مہیب سہی۔ ظالم سہی۔ لیکن ہمارے نزدیک نہایت رحیم و کریم ہے۔ وہ ہماری راحت کا سامان کرتا ہے۔ انسان کی تکلیف کو سہل کر دیتا ہے۔ پانی سے نقصان کا اندیشہ ہو تو یہ حکم دیا گیا کہ تیمم کرو، حالتِ سفر میں چار رکعتی نماز، دو رکعتی کر دی گئی۔ رسولؐ رات بھر جاگتے تھے۔ حالانکہ خدا نے فرمایا "تکلیف مت اٹھاؤ" لیکن یہ اس کی عبدیت کا تقاضہ تھا جو رسول کو رات بھر جاگنے کے لیئے مجبور کرتا تھا۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ ظالم ہے ان کی رد رحمٰن و رحیم کہہ کر
ردی گئی ہے۔ یہ دو لفظ رحم و کرم کا جہان ہیں کتب علےٰ نفسہِ الرحمۃ
س نے تو اپنے اُوپر رحمت لازم کر لی ہے۔
ایک خدا پرست کے نزدیک خدا نہایت رحمتوں والا اور آخرت کا تصور نہایت
ل ربا ہے یہ دنیا سخت بے کیف ہے۔ رنج و غم کا مسکن ہے انبیا اور
ولیا تک نے یہاں دُکھ سہے اور بے پناہ مصائب اٹھائے۔ یہاں دھوکہ ہے
کر ہے، فریب ہے، رسولؐ نے فرمایا ہے۔

"دنیا دھوکے کی ٹٹی ہے اور آخرت خوشی کا مقام"

لیکن انسان کو امید کا بہت بڑا سہارا ہوتا ہے۔ آخرت کی لذت
کا خیال دماغوں کو مسخر کر لیتا ہے۔ اور تمام تکلیفیں راحت معلوم ہونے
لگتی ہیں۔ دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی پائندہ تری سامنے آجاتی ہے
انسان دنیاوی عیش و نشاط کو بھول کر دوسری زندگی کو جو کہ لازوال ہے
بہتر بنانے کی فکر میں لگ جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ دنیا اس کے لئے آرام
گاہ نہیں جائے امتحان ہے، جس کا نتیجہ اُسے وہاں دیکھنا ہے وہ سوچتا
ہے۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

پس وہ عارضی نہیں مستقل سکون کے حصول میں لگ جاتا ہے۔ اور ایسے کرنے میں اس کو کتنی بھی تکلیفیں کیوں نہ اٹھانی پڑیں وہ سب راحت میں بدل جاتی ہیں انہیں لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسالتمآب نے فرمایا ہے کہ

"اگر موت کا وقت خدا ان کے لئے معین نہ فرما دیتا تو عذاب کے خوف سے اور ثواب کے شوق میں ایک لمحہ بھر بھی اُن کی روحیں اُن کے بدنوں میں نہ ٹھیرتیں۔"

ایک ملحد یہ سمجھتا ہے کہ سانس ختم ہوئی یہ سازِ ہستی بے صدا ہو گیا حاصلِ زندگی بس یہی دنیاوی آرام و سکون ہے۔ اس تصور میں وہ مخلوقِ خدا کے لئے باعثِ رحمت نہیں باعثِ زحمت بن جاتا ہے۔ اس کی حرص و طمع کا دائرہ وسعت پکڑتا جاتا ہے اور قارون کا خزانہ بھی نگاہوں میں کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ اِدھر اُدھر دست درازی کرتا ہے اور مخلوقِ خدا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اس کے برعکس خدا پرست قانع ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ "نانِ جویں" پر قناعت کر لیتا ہے اور اس میں اس کو کمال لذت حاصل ہوتی ہے۔ انہیں اسی میں کیف حاصل ہوتا ہے۔

موت کی لذت شہیدوں سے پوچھئے۔ شہادت سے زیادہ وجود خدا کا ثبوت نہیں مِل سکتا۔ شہیدِ کربلا حضرت امام حسین علیہ السلام سے زیادہ

کسی خداپرست کا کردار وسیع نظر نہیں آتا۔ وہ صبر دکھایا ہے کہ کوئی اور ہوتا تو
ہوش و حواس کھو بیٹھتا۔ دماغ مفلوج ہو جاتا۔ لیکن امام حسینؑ کے لئے
یہ مصیبت ہلکی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ خدا کا جمال و کمال سامنے تھا اور جس طرح
افسر کے سامنے جاتے ہیں۔ اس وقت اگر کوئی تکلیف ہوتی بھی ہے، تو
اظہارِ تکلیف نہیں کرتے۔ اسی طرح حسینؑ کو تکلیف، تکلیف نہیں معلوم
ہوئی۔ یہ مصیبت اُن کے لئے کچھ نہیں تھی۔ وہ حاضر و ناظر خدا کے قائل
تھے۔ یہ آنی تکلیف تھی اور ابدی راحت کا پیش خیمہ تھی۔ اس لازوال راحت
کے تصور نے مصیبت کو ہلکا بنا دیا تھا۔

یہ ہے ایک خداپرست کا کردار اور آخرت پر اگر اتنا ہی یقین کامل ہو تو تمام
خانگی فساد اور بیرونی جنگیں ختم ہو جائیں۔ انسان سفر کے لئے جاتا ہے، یہ
ناممکن ہے کہ بغیر زادِ سفر کے اٹھ کھڑا ہو۔ جب ایک معمولی روزمرہ کے سفر
کے لئے انتظامات ہوتے ہیں، تو زندگی کا سفر جو کہ نہایت طویل اور دشوار ہے
اس کے لئے بھی انتظام کرنا ضروری ہے۔ بس اسی سفر کا خیال ایک خداپرست
کو یہ سوچنے کے لئے مجبور کر دیتا ہے کہ دوسری دنیا کے لئے بھی کچھ کرنا ہے
اسی خیال کے ماتحت وہ نیکی کرتا ہے، جب کہ ملحد کو اس کی ضرورت نہیں۔
ایک خداپرست اور منکرِ خدا کے کردار میں بہت فرق ہے۔ منکرِ آلہ کی
زندگی تاریک اور محدود ہے اس کا واسطہ اسی دُنیا تک ہے اور بقول

ایک خدا پرست کے ۵

## "دُنیا آخرت کی کھیتی ہے"

جیسا یہاں بوؤ گے ویسا وہاں کاٹو گے اور حقیقت میں یہی وجہ ہے کہ دُنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت" کافر کو جو کچھ دنیا میں مل گیا وہی اس کی زندگی کا حصل ہے۔ مومن دنیاوی راحتوں کو ہیچ سمجھتا ہے اور جلد اس سے چھٹکارا پا کر آخرت کی لازوال خوشی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور اُسے اس دنیا میں جو زیادہ سے زیادہ ملتا ہے وہ آخرت کی وسیع راحت کے مقابلہ میں گویا تکلیف ہے۔

# خلافتِ الٰہیہ کا مقصد

خلافتِ الٰہیہ کا مقصد دنیا میں عدل و انصاف اور مساوات کی حکومت
قائم کرنا ہے۔ اس میں انسان بے غرض خدمات انجام دیتا ہے اور اس کا
معاوضہ وہ خدا سے آخرت میں چاہتا ہے۔

انسان نے اپنے آپ کو جس وقت سے اس خلافت سے باہر سمجھا اور
خود اقتدار اپنے ہاتھ میں لیا۔ بھٹک رہا ہے۔ اُسے ایک رہبر کی ضرورت
ہے وہ ایک مشعلِ راہ چاہتا ہے۔

دنیا میں سینکڑوں طرح کی حکومتیں قائم ہوئیں۔ استبدادی حکومت آمریت
صدارت، شاہی، نیم شاہی، لیکن ہر ایک کسی نہ کسی اعتبار سے نقصان
دہ ثابت ہوئی۔ آج ان تمام قسموں کو قریب قریب معدوم کر دیا گیا ہے۔ نی
زمانہ جمہوریت اور اشتراکیت کا دور دورہ ہے۔ اب زمانہ ہمیں بتلائیگا
کہ اشتراکیت، جمہوریت پر چھاتی ہے یا جمہوریت، اشتراکیت پر حاوی ہوتی ہے
جو بھی اور جس پر بھی غالب آئے کامیاب نہیں ہو سکتی۔ آخر میں ہم اس نتیجہ پر
پہنچتے ہیں کہ انسان ناکام اور مصیبتوں کے تھپیڑے کھاتا ہوا پھر خلافتِ الٰہیہ

کے لیئے لپک رہا ہے، اُسی طرف جا رہا ہے۔

خلافتِ الٰہیہ میں انسانوں پر بیک وقت دوہری حکومت ہوتی ہے ایک تو خلیفۂ وقت کی فوج اور عملی قوانین کے ماتحت اور دوسری ہمارے ضمیر کی جس پر قوانینِ قدرت غیر شعوری طور پر حاوی ہو چکے ہیں۔ انسان جس وقت اور زیادہ ناکام ہو جائے گا۔ عدل وانصاف معدوم ہو جائے گا۔ دنیا میں امن باقی نہیں رہے گا۔ جیسا کہ اس وقت دُنیا امن کی متلاشی ہے۔ امن نہیں ملتا جس وقت دُنیا ظلم سے بھر جائے گی۔ قائم الزماں امام مہدی ظہور فرمائیں گے اور تمام دنیا میں مساوات، انصاف اور عدل کی حکومت ہوگی خلافتِ الٰہیہ کا نزول ہوگا۔ اس کے متعلق جنابِ رسولِ خدا پیشین گوئی فرما گئے ہیں کہ جنابِ مہدی ہادی ظاہر ہوں گے۔

یَمْلَأُ الْاَرْضَ قِسْطاً وَّعَدْلاً — جو زمین کو عدل وانصاف سے بھر دینگے

کَمَا مُلِئَتْ ظُلْماً وَّجَوْراً — جس طرح وہ جور وظلم سے بھر گئی تھی

اس وقت یہ مادیت فنا ہو جائے گی۔ وہ دیواریں جو دنیا کو مختلف طبقوں میں بانٹے ہوئے ہیں منہدم ہو جائیں گی اور امام مہدیؑ جو رحمۃ للعالمین کا نمونہ بن کر آئیں گے۔ تمام دنیا پر مساوات، عدل وانصاف کی حکومت فرمائیں گے یہی خلافتِ الٰہیہ ہوگی۔

# جنابِ رسولِؐ خدا کا نظامِ حکومت کیا تھا؟

اسلام میں رسولؐ کی گیارہ سالہ حکومت، حضرت علیؑ کی ۴ سالہ حکومت اور امام حسنؑ کی ۶ ماہ کی حکومت ہی معیارِ اعلےٰ ہے۔ آپ نے انسان کو اس الہامی قانون کی دعوت دی جو تمام پہلی کتابوں کی سچائی کا اعلان کرتا ہے اور اس طرح تمام اہلِ مذاہب کو ایک مرکز پر جمع ہونے کی صورت پیدا کر دیا ہے جس کے دائرہ اصلاح میں تمام نوعِ انسان کی بہبودی کا خیال شامل ہے جو قومی و نسلی امتیاز و تفریق کو مٹاتا ہے۔ انسان کی سیاسی اور روحانی غلامی کو ختم کرتا ہے اور ہر ایک فرد پر عروج و ترقی کے دروازے کھولتا ہے۔ آپ نے انسان کی حریت و آزادی کا اعلان فرمایا۔ اور واضح کر دیا کہ وہ پہلے مذہبی عقائد کو سمجھے اور پھر تسلیم کرے۔ پہلے مذہبی عبادات کی حقیقت پر نظر کرے اور پھر انہیں خدا رسی کا ذریعہ بنائے اس لئے کہ اسلام میں "مذہب اور سیاست" دو الگ چیزیں نہیں۔ اسلام نے سیاست کی بنیاد کتابِ خدا اور سنتِ رسولؐ پر رکھی ہے۔ قیامِ امن اور مفادِ خلق کے خیال کو اپنے شرعی اور اخلاقی احکام کی بنیاد قرار دیا اور اعلان فرمایا کہ مذہبی اعمال اور روزمرہ کی زندگی خلوص اور

نیک نیتی پر مبنی ہو۔ ورنہ فضیلت کا قیام اور اخلاق کی اصلاح ناممکن ہے

آپ نے خاص حالات میں جنگ کی اجازت دی جب کہ اس کے بغیر چارہ نہ ہو اور ساتھ ہی یہ کوشش فرمائی کہ جنگ سے نقصانات اور ہلاکتیں کم ہو جائیں فرمایا نہ عورتوں پر تلوار چلاؤ نہ بچوں پر نہ مزدوروں پہ نہ عبادت کرنے والوں پر پھر فرمایا کہ مقتولوں کے اعضا نہ کاٹو، زخمیوں کی شکلیں نہ بگاڑو جب دشمن پناہ مانگے صلح چاہے تو تلوار روک دو۔ آپ نے انسان کے ہر شعبۂ زندگی کی اصلاح فرمائی۔ غلام، مزدور اور عورت کی حالت کو بہتر بنایا اور سوسائٹی میں ان کا مرتبہ بلند کیا[۵]۔

قرآن نے ہمارے سامنے مکمل دستورِ حیات پیش کیا ہے اور ہماری زندگی کے ہر شعبہ پر روشنی ڈالی ہے اور ہر ایک کی اصلاح کی ہے۔ فی زمانہ اشتراکیت کے حامیوں کا پرزور دعویٰ ہے کہ انسانی فلاح و بہبود اور بین الاقوامی امن و اتحاد صرف اسی تحریک سے وابستہ ہے۔ اشتراکیت انسانی زندگی کے صرف ایک پہلو یعنی معاشی پہلو سے متعلق ہے اور اسی کی اصلاح چاہتی ہے اور تمام شعبہ ہائے زندگی کی اصلاح کو معاشی اصلاح پر منحصر قرار دیتی ہے حالانکہ ایک شعبہ کی اصلاح تمام شعبوں کو درست نہیں کر سکتی۔

---

[۵] انسانیت موت کے دروازے پر "ص" ہمیں چند صفحات جو حضرت علامہ کاموں پوری کے قلم سے ہے چودہ معصومین ؑ کے عظیم الشان کارنامے جلوہ گر ہوئے ہیں۔

اسلام ایک ہمہ گیر ضابطۂ حیات ہے جو زندگی کے کسی مخصوص پہلو کی اصلاح کو کافی خیال نہیں کرتا بلکہ زندگی کے ہر شعبہ اور عمل کے ہر گوشہ کے لئے اپنی اصلاحی تدابیر رکھتا ہے۔ اس کا ایک مخصوص نظامِ تمدن، ایک الگ نظامِ معاشرت اور ایک جداگانہ نظریہ سیاست و حکومت ہے۔ اس نے زندگی کے معاشی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا، بلکہ اس کو مناسب اہمیت دی ہے۔ اسلام میں عبادت کا مفہوم صرف نماز روزہ ہی نہیں بلکہ ہر وہ عمل عبادت ہے جو اس کے وضع کردہ اصول کے ماتحت ہو۔ خواہ روزانہ زندگی سے متعلق ہو۔

جنابِ رسالتمآبؐ کی نبوت کے اصلی مقاصد، دین کی دعوت، دینیات کی تعلیم، اخلاق کی درستی، اور نفوس کی اصلاح تھی۔ ان کے علاوہ اور جو فرائض نبوت اور لوازم رسالت تھے وہ سب ضمنی تھے۔ اس بنا پر آنحضرتؐ نے انتظامِ ملکی اور نظامِ سیاسی صرف اسی حد تک جاری فرمائے جہاں تک ملکی بدامنی اور فتنہ خیزی کے باعث اسلام کی دعوتِ توحید کے لئے دشواریاں پیدا کرتے تھے۔

اسلام کے زمانۂ تسلط اور ایامِ امن و امان میں بھی، باوجودیکہ سنِ شریف آپ کا ۶۰ سال کا ہو چکا تھا، لیکن حکومت کے تمام کام خود انجام دیتے تھے۔ مثلاً

داخلی تنظیم

(۱) والیان و عمّالِ ملکی کا تقرر۔

(۲) مؤذن اور مبلغ کا تعین۔

(۳) محصلینِ زکوٰۃ و جزیہ کا انتخاب۔

(۴) غیر قوموں سے معاہدۂ صلح۔

(۵) قبائلِ اسلامی میں تقسیمِ جائداد۔

(۶) آراستگیٔ فوج۔

(۷) ترتیبِ لشکر۔

(۸) نزاعوں اور مقدموں کے فیصلے۔

(۹) قبائل کی خانہ جنگیوں کا انسداد۔

(۱۰) وفود کے لئے تعینِ وظائف۔

(۱۱) نومسلم قوموں کے انتظامات۔

(۱۲) مسائلِ شرعیہ میں فتاوی کا نفوذ۔

(۱۳) عمالِ ملکی کے طرزِ عمل کی خبرگیری۔

یہ سب کام آپ ہی سے متعلق تھے ہاں یہ ضرور ہے کہ دور دراز علاقوں میں گورنر اور والی بنا کر بھیج دیئے جاتے تھے لیکن مدینہ اور حوالی مدینہ کے فرائض خود انجام دیتے تھے۔

چھوٹے چھوٹے معرکوں کی سپہ سالاری تو مسلمانوں کے حوالے کی جاتی تھی لیکن بڑے بڑے معرکوں میں خود حضرتؐ فوجی قیادت فرماتے تھے۔

چنانچہ بدر، احد، خیبر، خندق، فتحِ مکہ اور تبوک میں خود آپ ہی قائد تھے
اس امارتِ فوج کا مقصد صرف فوجوں کو آپس میں لڑانا اور فتح و ظفر پانا
ہی نہیں تھا بلکہ فوج کی عام اخلاقی اور روحانی حفاظت و نگرانی بھی تھی جس
کا ذکر آنحضرت کی "بیرونی تنظیم" میں کیا جائے گا۔

افتاء

عہدِ رسالت میں عموماً آنحضرتؐ خود ہی اس کام کو انجام دیتے تھے۔
کوئی وقت مقرر نہیں تھا۔ بلکہ ہر وقت ہر شخص آپ سے سوال کرتا تھا اور
جواب لیتا تھا۔

صیغۂ عدل

عہدِ مبارک میں قضا کا منصب قائم ہو چکا تھا اور حضرت علی علیہ السلام
"قاضی یمن" مقرر ہو چکے تھے اور آپ کو اقضاکم علیؑ کا خطاب بھی مل چکا تھا
مدینہ کے مقدمات کا فیصلہ خود جنابِ رسالتمآب فرمایا کرتے تھے
حضرت علیؑ سے بھی فیصلے متعلق ہوا کرتے تھے۔

صیغۂ احتساب

قوم کے اخلاق و عادات، بیع و شریٰ اور معاملات کی نگرانی احتساب
میں داخل ہیں۔ اس صیغہ کی نگرانی آنحضرت خود فرماتے تھے۔ عرب میں
تجارتی معاملات کی حالت نہایت قابلِ اصلاح تھی۔ مدینہ میں تشریف لاتے

ہی آنحضرت نے ان اصلاحات کو جاری فرمایا۔ آپ نہایت سختی سے ان معاملات کی نگرانی فرماتے تھے اور سب لوگوں سے اس پر عمل کراتے تھے جو باز نہیں آتے تھے انھیں سزائیں دیتے تھے۔

احتساب کے فرائض میں آنحضرتؐ کا بڑا فرض عمّال کا محاسبہ تھا یعنی رقم زکوٰۃ و صدقہ عمّال وصول کرکے لاتے تھے تو آپ اُن کا خود جائزہ لیتے۔ اس لئے کہ وصولی میں کوئی ناجائز طریقہ تو اختیار نہیں کیا گیا چنانچہ ایک مرتبہ ابن اللّتبیہ صدقہ وصول کرنے کے لئے بھیجے گئے وہ اپنا کام انجام دے کر واپس آئے تو رسولؐ نے ان کا جائزہ لیا۔ انھوں نے کہا کہ یہ مسلمانوں کا مال ہے اور یہ، مجھے بطور ہدیہ ملا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ تم کو گھر بیٹھے بیٹھے یہ ہدیہ کیوں نہیں ملا؟ اس کے بعد ایک مجمع عام میں خطبہ دیا اور اس میں ان اُمور کی سخت ممانعت فرمائی۔

عمّال اور محصلینِ زکوٰۃ و جزیہ سے بلا رعایت حساب طلب فرماتے تھے مدینہ اور حوالیٔ مدینہ کی ضرورتوں کی انجام دہی کے لئے تجربہ کار صحابہ اور ذی استعداد لوگ مختلف مناصب پر مقرر کئے جاتے تھے ان عہدوں میں

(۱) کتابتِ وحی

(۲) نامہ و پیام

(۳) اجرائے احکام اور فرمان کا عہدہ سب سے زیادہ ضروری تھا۔

اسیرانِ بدر میں نادار لوگوں کا فدیہ صرف یہ قرار پایا تھا کہ وہ مدینہ کے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ زید بن ثابت نے اسی طریقہ پر کتابت کا فن سیکھا تھا۔

## حکّام اور عمّال کا تقرر

مقدّمات قضا کے فیصل کرنے، عدل و انصاف قائم کرنے، امنِ عام پھیلانے اور جھگڑوں کو رفع کرنے کے لئے متعدد حکّام اور والیانِ ملک کی ضرورت تھی۔ اس غرض سے آپؐ نے متعدد صحابہ کو مختلف مقامات پر حاکم اور والی مقرر فرمایا۔

والیانِ ملک کا تعین ملک کی وسعت اور مقامی ضرورت کے اعتبار سے ہوتا تھا عرب کے جو حصے آنحضرتؐ کے عہد مبارک میں اسلام لائے ان میں یمن سب سے زیادہ وسیع اور متمدن تھا۔ ایک مدت تک ایک باقاعدہ سلطنت کے زیرِ سایہ رہ چکا تھا۔ لہذا اس کو پانچ حصوں میں بانٹا اور ہر حصہ کا الگ گورنر مقرر فرمایا۔

عمّال کے تقرر میں مساوات اور دل جوئی کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ جب کسی مہاجر کو وہیں کا عامل مقرر فرماتے تو اس کے ساتھ ایک انصاری کا تقرر بھی فرماتے تھے۔

انتظام ملکی، انفصالِ مقدمات اور خراج کی تحصیل وغیرہ کے علاوہ

ان کا مُقدم فرض اشاعتِ اسلام اور سُنن وفرائض کی تعلیم تھا۔ مختصر یہ ہے کہ یہ لوگ حاکم اور والیٔ صوبہ ہونے کے ساتھ ساتھ "مبلغِ دین" اور "معلمِ اخلاق" کی بھی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن اقوامِ عرب کی تسکین اور دل جوئی کے لئے ان تمام چیزوں سے زیادہ لطف ونرمی، رعایت ومروت درکار تھی جس کی آمیزش سیاست اور حکومت کے ساتھ دشوار ہو جاتی ہے۔ لہذا آنحضرت گورنروں کو خاص طور سے اس کی طرف متوجہ فرماتے تھے چنانچہ جب معاذ بن جبل کو ایک صحابی کے ساتھ یمن کی گورنری پر روانہ کیا تو جبل جب رکاب میں پاؤں ڈال چکے تو ان سے خاص طور سے یہ الفاظ فرمائے۔

احسن خلقك للناس — لوگوں کے ساتھ خوش خلقی کرنا

مُحصلینِ زکوٰۃ وجزیہ

مُحصلین کے تقرر میں حضورؐ حسبِ ذیل اُمور کی پابندی فرماتے تھے۔

(۱) ان کو ایک فرمان عطا ہوتا تھا جس میں نہایت وضاحت سے یہ بتایا جاتا تھا کہ کس قدر مال کی کتنی تعداد میں زکوٰۃ کی کیا مقدار ہے چھانٹ کر مال یا حق سے زیادہ مال لینے کی اجازت نہیں تھی۔

(۲) عرب کی دولت کا انحصار بکریوں اور اونٹوں کے گلوں پر تھا جو پہاڑوں کے دامنوں میں چرتے رہتے تھے ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں بکریاں چرا رہا تھا دو شخص اونٹوں پر سوار آئے اور کہا کہ ہم

رسول کے قاصد ہیں۔ بکریوں کا صدقہ لینے آئے ہیں۔ میں نے ایک شیر دار بکری دی۔ کہا اس کا حکم نہیں۔ میں نے ایک بچہ دیا۔ اُسے اونٹ پر رکھا اور چلے گئے۔

(۳) اگرچہ صحابہ خود ناجائز مال لینے سے انکار کرتے تھے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ کو خیبر کے یہودیوں کے پاس بھیجا کہ نصف پیداوار اور زراعت حسبِ معاہدہ تقسیم کرکے لائیں تو انہوں نے رشوت دینی چاہی لیکن صحابہ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ تم مالِ حرام ہمیں کھلاتے ہو لیکن پھر بھی جیسا کہ ابن اللتیہ کے ہدیہ قبول کرنے پر حضرت ؐ نے ایک خطبۂ عام میں تمام لوگوں کو اس قسم کا مال لینا ناجائز قرار دیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ان کو نیک نیتی کی سخت تاکید کرتے رہتے تھے۔

(۴) عمال کا انتخاب حضرت خود کرتے تھے۔

(۵) عمال کو صرف بقدرِ ضرورت معاوضہ ملتا تھا اور عام منادی کرا دی تھی کہ جو کوئی اس سے زیادہ لے گا وہ مال میں خیانت کرے گا۔ مقدارِ ضرورت کی تصریح خود آپ نے فرما دی تھی۔

صیغۂ عدل

اگرچہ یہ کام آپ خود انجام دیتے تھے لیکن اہلبیتؑ و صحابہ نے بھی اس کام کو انجام دیا ہے جن میں حضرت علی علیہ السلام کا نام خصوصیت سے لیا جا

سکتا ہے۔ ابی بن کعب وغیرہ بھی شامل تھے۔

## صیغۂ پولیس

اگرچہ باضابطہ طریقہ سے پولیس کے محکمہ کی ابتدا بنی امیہ کی سلطنت میں ہوئی۔ تاہم حضرت رسولؐ کے زمانے میں ابتدائی نمونہ قائم ہو چکا تھا آپؐ کے عہد میں قیس ابنِ اسعد آپ کے ساتھ رہ کر اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔

ترغیبِ عام کے ساتھ خاص خاص انتظام فرمائے مثلاً:۔

(۱) جس کسی نے جس بنجر زمین یا افتادہ زمین کو آباد کیا وہ اس کی ملکیت ہے

(۲) عرب کی خشک زمین میں سب سے زیادہ ضرورت چشمہائے آب کی تھی۔ آپؐ نے حکم دیا جو شخص ایسے چشمہ پر قبضہ کرے جس پر کسی مسلمان نے قبضہ نہیں کیا وہ اُس کا ہے۔

اس فیاضی کی بہت شہرت ہوئی۔ لوگوں نے جلد جلد اپنے چشموں کے لئے حدود مقرر کر لئے اور بہت چشمے سرزمینِ عرب پر لہرانے لگے۔

# بیرونی تنظیم

## غیر قوموں سے معاہدے

عرب میں اب کفر و شرک بالکل نہ تھا۔ حجاز کے یہودیوں کے سوا عرب

کی تمام قوموں نے اسلام کی اطاعت کر لی تھی۔ اس لئے اسلام نے بھی ان کی جان و مال، عزت و آبرو اور مذہب کی حفاظت کی تمام ذمہ داری اپنے سر لے لی تھی اور اس کے صلہ میں جزیہ کی ایک خفیف رقم (یعنی ہر بالغ۔ عاقل۔ مطیع مرد پر ایک درہم سالانہ لی جاتی تھی وہ بھی نقد نہیں جو پیدا ہو وہ دیں۔ یہ جبریہ جزیہ قرار پائی۔

غیر مسلموں سے معاہدے آنحضرتؐ نے ۸ھ میں کئے اور ۹ھ میں جزیہ کی آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد اس آیت کے اعتبار سے معاہدے قرار پائے۔

نجران کے عیسائی، حدودِ شام کے یہودی اور عیسائی، یمن کے یہودی اور بحرین کے مجوسی ان سب سے بھی اسی شرح مقدار پر مصالحت کی گئی۔

# اسلامی سیاست میں جنگ کی جگہ

## تقابلی مطالعہ

### غیر اسلامی نقطۂ نظر

کسی چیز کی خوبیوں اور خامیوں کی جب تحقیق کی جاتی ہے تو پہلے اس پر غور کیا جاتا ہے کہ اپنی جنس کی دوسری چیزوں کے مقابلہ میں اس کا کیا درجہ ہے۔ اگر مقابلتہً وہ بہتر ثابت ہوتی ہے تو بہتر ہونے کے اسباب معلوم کئے جاتے ہیں تب اُسے پسندیدگی کی سند دی جاتی ہے لہٰذا ہم مسئلۂ جنگ کو بھی اسی پیمانہ پر تولیں گے اور ایسا کرنے کے لئے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ دوسرے مذاہب نے مسئلہ جنگ میں کن اصول کو اختیار کیا اور پھر ان مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کو رکھ کر دیکھنا ہے کہ اُن کا طریقہ، اسلام کے طریقے سے کیا نسبت رکھتا ہے لیکن ہم اس بحث کو دنیا کے چار بڑے مذاہب تک محدود رکھیں گے

(۱) ہندو مذہب

(۲) بُدھ مذہب

(۳) یہودیت

(۴) مسیحیت

۱۔ ہندو مذہب

ہندو مذہب کی بنیادی کتابیں تین ہیں، چار وید، گیتا اور منوسمرتی۔

چار وید حسب ذیل ہیں۔

رگ وید ، یجروید ، سام وید ، اتھروید

ویدوں کی جنگی تعلیم

ہم ان کتابوں کے ان منتروں کو حوالہ کے ساتھ نقل کریں گے جو جنگ سے متعلق ہیں اور اس وقت ہندو مذہب میں جنگی تعلیم کا صحیح اندازہ ہوگا

(۱) اسے مگھون ہمارے دشمنوں کو بھگا دے۔ مال و دولت کی فتح کو آسان کر، تو مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لئے لڑائی میں ہمارا اچھا محافظ بن۔ (رگ وید ۷ : ۳۲ : ۲۵)

(۲) مالِ غنیمت لوٹتے وقت ہم پر اس بہترین زر و مال کے دریا بہا دے جس کی سینکڑوں تمنا کرتے ہیں (سام وید ۶ : ۲ : ۱ : ۵)

اس تعلیم پر کسی تبصرہ کی حاجت نہیں۔

۲۔ بدھ مذہب

بودھ مذہب کا بنیادی پتھر "نفس کشی" اور ترکِ دنیا ہے چونکہ اس کی

منزلِ مقصود "نروان" ہے اور وہ بغیر نفس کُشی کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے وہ خودی کو مٹانے کے لئے سخت ریاضتیں تجویز کرتا ہے۔ یہ مذہب کہتا ہے کہ بھیک مانگو۔ اگر تمام دنیا بُدھ ہو جائے تو بھیک کون دے انسان بسرِ اوقات کے لئے کوئی پیشہ نہ کرے۔ گھر نہ بنائے۔ اس میں نہ کوئی تہذیب ہے نہ تمدن ہے کسی جان دار، یہاں تک کہ ذرا سے کیڑے کو بھی ہلاک کرنا گناہ ہے۔ یہ لوگ اہنسا کے پجاری ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ جب اجتماعی زندگی کے قائل ہی نہیں بلکہ زندگی کی اہمیت کو ہی نہیں کرتے اور ان کے نظامِ فکر میں تمدن کا کوئی مقام ہی نہیں تو نظامِ دفاع، تو اس دنیا کے لئے ہے جہاں مل جل کر رہنے کی تلقین کیجاتی ہے اور جہاں حقوق کے تصادم کے مواقع پیدا ہوتے ہیں۔

۳۔ مسیحیت

عیسائیت میں یہ ہے کہ اگر کوئی تمہیں ایک میل لے جائے تو تم دو میل چلے جاؤ۔ کوئی خطا کرے تو بخش دو۔ یہ سخت پابندیاں تھیں جن کو حالات اور واقعات نے توڑ ڈالا۔ لیکن جب یہ پابندیاں ختم ہو گئیں تو فتنہ و فساد کے دروازے اس قدر کشادہ ہو گئے کہ دنیا میں جو عظیم ترین جنگیں رونما ہوئیں تو ان کے بانی عیسائی ہی تھے۔

اسلامی نقطۂ نظر

اسلام ان مذاہب اور ان کے نظریۂ جنگ کی قطعاً مخالفت کرتا ہے

وہ ہندو مذہب کی طرح ظلم کا حامی اور دولت کا اسیر نہیں۔ وہ بدھ مذہب کی طرح تارک الدنیا ہونے کی تلقین نہیں کرتا۔ اور نہ مسیحیت کی طرح اس پر قصاص کے دروازے بند ہیں۔ بلکہ اس نے ایک درمیانی راہ اختیار کی ہے۔ احادیثِ رسولؐ میں کثرت سے اس قسم کے ارشادات پائے جاتے ہیں جن میں بے گناہ کے خون بہانے کو بدترین گناہ بتایا گیا ہے مثلاً

اکبر الکبائر الاشراک باللہ وقتل النفس و عقوق الوالدین وقول الزور

ترجمہ:۔ بڑے گناہوں میں سب بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے پھر قتلِ نفس، پھر والدین کی نافرمانی کرنا، پھر جھوٹ بولنا۔

لن یزال المؤمن فی فسحۃ من دینہ مالم یصبہ دماً حراماً

ترجمہ:۔ مومن اپنے دین کی وسعت میں اس وقت تک برابر رہتا ہے جب تک وہ کسی حرام خون کو نہیں بہاتا

اس کے علاوہ قصاص کے دروازے بھی کھلے ہیں۔ کسی نے دانت توڑا ہے۔ دانت توڑ دو۔ آنکھ پھوڑی ہے آنکھ پھوڑ دو یہاں تک کہہ دیا گیا ہے کہ

"قصاص میں زندگی ہے اے اہلِ عقل"

یہ نہیں کہا کہ کسی کی جان کو کسی حال میں قتل نہ کرو۔ ایسا کہا جاتا تو یہ تعلیم کا نقص ہوتا، عدل نہ ہوتا، بلکہ ظلم ہوتا۔ دنیا کو اصلی ضرورت اس بات کی نہ تھی کہ انسان کو قانون کی گرفت سے آزاد کر دیا، اور کھلی آزادی ہو، جتنا چاہے فساد برپا کرے۔ بلکہ اصل ضرورت اس کی تھی کہ فتنہ و فساد مٹایا جائے اور ایسا قانون بنایا جائے کہ ہر شخص اپنے حدود میں آزاد ہو۔

انسانی تعلیم ناقص رہ سکتی ہے لیکن خدائی قانون ناقص نہیں ہو سکتا۔ اس نے صاف طور پر بتلا دیا کہ انسانی خون کی حرمت صرف اس وقت تک ہے جب تک اس پر "حق" نہ قائم ہو جائے۔ اُسے زندگی کا حق صرف اس کی جائز حدود کے اندر دیا جا سکتا ہے لیکن جب وہ ان حدود سے باہر ہو جائے اور فتنہ و فساد پھیلائے اور دوسرے کی جان پر ناحق حملہ کرے تو وہ اپنے "حقِ حیات" کو خود کھو دیتا ہے اس کے خون کی حرمت زائل ہو جاتی ہے۔ حالانکہ قتل بہت بُری چیز ہے لیکن اس سے زیادہ بُرائی فتنہ و فساد ہے۔ لہٰذا اس شخص کا قتل جائز کیا گیا اور یہ "قتل بالحق" ہے جس کی سخت تاکید کر دی گئی ہے۔

## قتل بالحق اور قتل بغیرِ حق میں فرق

قتل بغیرِ حق کی ایسی سخت ممانعت اور قتل بالحق کی اتنی سخت تاکید

کرکے خدا نے عدل و توسط کی طرف ہماری رہنمائی کی ہے۔ ایک طرف وہ گروہ ہے جو انسانی جان کی کوئی قیمت نہیں سمجھتا۔ اور اپنی نفسانی خواہشات پر اُسے قربان کرنا جائز سمجھتا ہے۔ دوسری طرف وہ غلط فہم گروہ ہے جو خون کو مقدس سمجھتا ہے اور اس کی ابدی حرمت کا قائل ہے اور کسی حال میں بھی اُسے بہانا جائز نہیں سمجھتا۔ اسلامی شریعت نے ان دونوں خیالوں کی تردید کر دی۔ اُس نے بتایا کہ نفسِ انسانی کی حرمت نہ تو ابدی ہے اور نہ اس کی قیمت اس قدر کم ہے کہ تفریحِ طبع کی خاطر اُسے ہلاک کر دیا جائے، اس کو شخصی خواہشات کی راہ میں حائل دیکھ کر فنا کر دیا جائے یا بے اصل رسوم کی بھینٹ چڑھا دیا جائے۔ ناپاک اغراض کے لئے اس کا خون بہانا قتل بغیرِ حق ہے اور اول درجہ کی معصیت ہے۔ انسان جب تک حق کا احترام کرتا ہے اس کا خون واجب الاحترام ہے۔ مگر جب وہ سرکشی اختیار کرکے حق پر دست درازی کرتا ہے تو اپنے خون کی قیمت کھو دیتا ہے اس کا قتل واجب ہے



## جہاد فی سبیل اللہ

یہی فتنہ و فساد، بغض و عداوت ہے جس کی آگ کو فرد کرنے کے لئے اللہ نے اپنے نیک بندوں کو تلوار اٹھانے کا حکم دیا ہے یہی وہ

جہاد فی سبیل اللہ ہے جس کی فضیلت سے قرآن کے صفحے بھرے پڑے ہیں جس کے لڑنے والوں کی تعریف میں فرمایا ہے۔

| | |
|---|---|
| اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ | ترجمہ:- اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف باندھے ہوئے جم کر لڑتے ہیں گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ |

## فضیلتِ جہاد کی وجہ

یہ غور کرنے کی بات ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کی اتنی فضیلت اور تعریف کس لئے ہے؟ جہاد کرنے والوں کو بار بار کیوں کہا گیا ہے کہ وہی کامیاب ہیں۔ انہیں کا درجہ بلند ہے۔ اس کے ثبوت میں بہت آیات موجود ہیں۔ ان آیات میں کامیابی اور عظمتِ درجہ کے معنی کسی جگہ مال و دولت اور ملک و سلطنت کا حصول نہیں بتائے گئے۔ جس طرح کرشن جی نے ارجن سے کہا تھا کہ اگر تو اس جنگ (مہابھارت) میں کامیاب ہوا تو دُنیا کے راج کو بھوگے گا۔ (گیتا ۲: ۳۷)

اس طرح قرآن میں کہیں یہ کہہ کر قتال فی سبیل اللہ کی جانب رغبت نہیں دلائی گئی کہ اُس کے عوض تمہیں دنیا کی دولت اور اقتدار

حاصل ہوگا، بلکہ صرف خدا کی خوشنودی اور اللہ کے یہاں درجوں کی بلندی دکھائی ہے۔

## نظامِ تمدّن میں جہاد کا درجہ

انسان اگر جہاد کی حقیقت کو جان لے تو نظامِ تمدّن میں یہ بے اعتدالی کبھی نظر نہ آئے۔ سارا عالمِ انسانی ظالموں اور مظلوموں آقاؤں اور غلاموں میں بٹا ہوا ہے اور تمام دُنیا کی اخلاقی اور روحانی زندگی تباہ ہو رہی ہے۔ خدا نے بار بار اپنی حکیمانہ کتاب میں ان قوموں کا ذکر کیا ہے۔ جنھوں نے بدی کے خلاف جہاد کرنے میں جی چُرایا اور بدی کا تسلط قبول کر کے اپنے اُوپر ہمیشہ کے لئے نامرادی کا داغ لگا لیا ایسی قوموں کو خدا ظالم قومیں کہتا ہے۔ یعنی اپنے اعمال سے انھوں نے اپنے اُوپر ظلم کیا اور برباد ہو گئیں۔ بار بار اس حقیقت کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ نیکی کے قیام و بقا کے لئے سب سے زیادہ ضروری چیز اس کی حفاظت کرنے والی سچی قربانی کی روح ہے اور جس قوم سے یہ روح نکل جاتی ہے وہ بہت جلدی بدی سے مغلوب ہو کر فنا ہو جاتی ہے۔

## مدافعانہ جنگ

قرآنِ حکیم نے سب معاملات میں تحمّل اور برداشت کی تعلیم دی

ہے۔ مگر ایسے کسی حملے کے برداشت کرنے کی تعلیم نہیں دی جو دینِ اسلام کو مٹانے یا مسلمانوں کے حقوق اور اُن کی آزادی کو سلب کرنے کے لئے کیا جائے۔ اس معاملے میں تو اس نے سختی کے ساتھ حکم دیا ہے کہ جو کوئی بھی تمہارے انسانی حقوق چھیننے کی کوشش کرے تم پر ظلم وستم ڈھائے، جائز ملکیتوں سے تم کو بے دخل کرے، تمہاری قومی طاقت کو مٹانے کی خفیہ یا علانیہ تدبیریں کرے اور اس وجہ سے تمہارے درپے آزار ہو کہ تم مسلمان ہو، تو اس کے فتنہ سے ہرگز غفلت نہ کرو، اور ایسی سخت سزا دو کہ وہ یا تو راہِ راست پر آجائے یا پیوندِ خاک ہو جائے یہی "مدافعانہ جنگ" ہے۔

یہ حفاظتِ دین وملت ووطن کا حکم ایسا سخت ہے کہ جب کوئی طاقت اسلام کو مٹانے اور اسلامی قومیت کو فنا کرنے کے لئے حملہ آور ہو تو تمام مسلمانوں پر فرض عین ہو جاتا ہے کہ سب کام چھوڑ کر اس کے مقابلے پر نکل آئیں اور جب تک اسلام کو اس خطرے سے محفوظ نہ کرلیں اس وقت تک چین نہ لیں۔ اس اعتبار سے ہر مسلمان پر فرداً فرداً دفاع کا فرض اس طرح عائد ہوتا ہے جیسے نماز اور روزہ

## مذاہبِ اربعہ کی تعلیم اور اسلام کی تعلیم پر مقابلتہً ایک نظر

دنیا کے چار بڑے مذاہب کے بارے میں یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ افراط

اور تفریط کی دو مختلف راہیں پیش کرتے ہیں اور یہ بھی تحریر کیا جا چکا ہے
کہ اُن کے مقابلہ میں اسلام نے ایک درمیانی راہ پیدا کی اور اعتدال
قائم کر دیا۔ اسلام نے ہندو مذہب کے بر خلاف ظلم و تشدد کی راہیں
بند کر دیں۔

اسلام اور بُدھ مذہب کے درمیان بنیادی اختلافات ہیں۔ اسلام
کے نزدیک دنیا میں انسان ایک بہت بڑے مقصد کے لئے پیدا کیا
گیا ہے۔ اس کے بر عکس بُدھ مذہب کی نظر میں انسان کی زندگی کا
کوئی مقصد نہیں ہے اور اس کی نجات بس اسی میں ہے کہ دنیاوی
تعلقات یہاں تک کہ خود اپنی ذات سے کنارہ کش ہو جائے نہ اُسے
کسی عملی کوشش اور ذہنی دلچسپی کی اجازت ہے نہ وہ کسی چیز سے
رابطہ اور تعلق قائم کر سکتا ہے۔ اب یہ چیز ذرا غور طلب ہے کہ بدھ
مذہب کی اہنسا انسانیت کے لئے فائدہ مند ہے یا اسلام کا جہاد؟

اسلام اور مسیحیت کے درمیان بھی بنیادی اختلافات ہیں۔ محترف
مسیحیت کی تعلیم بھی ناقص ہے۔ اس کا پہلا نتیجہ تو یہ تھا کہ انہوں نے
جب مذہب کے احکام کی پابندی کی تو حد سے زیادہ نرم بن گئے اور
ظلم و ستم کو برداشت کر کے ۳۰۰ سو سال تک اپنی قومیت کو تباہ کراتے
رہے اور دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ جب زمانے کے انقلاب نے ان کو قوت

بخشی اور سلطنت کی ذمہ داریاں ان پر آپڑیں تو انھیں مسیحیت کے تنگ دائرے سے نکلنا پڑا اور یہاں مذہب کی رہنمائی نہ پاکر ظلم وستم کرنے شروع کردیئے۔

اس کے برعکس اِسلام نے نہایت اعتدال سے کام لیا۔ جنگ کو اس نے فتنہ و فساد سے تعبیر کیا اور اس کو بدترین گناہ قرار دیا اور دوسری طرف وہ جنگ جو حق کے تحفظ اور فتنہ و فساد کو ختم کرنے کے لئے کی جائے اور جس میں نفسانی اغراض شامل نہ ہوں اس کو جہاد فی سبیل اللہ کہہ کر ایک عبادت کا درجہ دیا۔

اس طرح جنگ کو کامل طریقہ پر محدود کرنے اور ظلم کو عدل میں تبدیل کرنے اور گناہ کو نیکی کے درجہ تک پہنچانے کی اگر کسی نے کوشش کی تو وہ اِسلام ہے۔

## جنگ اور تہذیبِ جدید

جہاں تک مہذب قوموں کے عمل کا تعلق ہے، اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ مغربی تہذیب، ملک گیری، توسیعِ تجارت، حصولِ مال و جاہ، جہانگیرانہ غارت گری غرض تمام حیوانی خواہشات کے لئے جنگ کرنا جائز رکھتی ہے۔ برخلاف اس کے اسلام اپنے پیروؤں کو صرف لڑائی کے ہی مہذب طریقوں کا پابند نہیں بناتا بلکہ ان کو یہ بھی

بتاتا ہے کہ فلاں فلاں مقاصد کے لئے تم جنگ کر سکتے ہو اور فلاں اِن
کے لئے تم جنگ نہیں کر سکتے۔ اس مسئلہ کو اس نے انسان کی اپنی
ذاتی پسند پر نہیں چھوڑا ہے بلکہ اس کو مخصوص اخلاقی حدود کا پابند
بنا دیا ہے جن سے نکلنے کا اس کو حق نہیں دیا مثلاً

(۱) کھیتوں کو برباد نہ کرو۔

(۲) عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور تارک الدنیا لوگوں پر ہاتھ
نہ اُٹھاؤ۔

(۳) لڑائی میں ابتدا نہ کرو۔ جب تک دشمن پہل نہ کر دے خاموش
رہو۔ صلح چاہے تو صلح کر لو۔

(۴) زخمیوں کو نہ مارو۔ وغیرہ وغیرہ

یہ وجوہ ہیں جن کی بنا پر اسلام کا قانونِ جنگ بے نظیر و بے مثال
ہے۔ مغرب کے قانون کا اس سے کوئی مقابلہ نہیں۔ وہ زیادہ صحیح، مفید
معقول اور مضبوط ہے۔

# عہدِ رسولؐ کے غزوات اور اُنکی سیاسی توجیہ

جہاد ۲ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وہ ہے جس میں آنحضرت خود شریک ہوتے تھے وہ "غزوہ" کہلاتا ہے اور دوسرا وہ جس میں آنحضرت خود نہیں جاتے تھے بلکہ کسی کو اپنا قائم مقام بنا کے بھیجتے تھے اس کو سریہ کہتے ہیں۔

جیسا کہ اس سے قبل ذکر آچکا ہے اسلامی جہاد کا مقصد ملک گیری اور طمعِ مال و زر نہ تھا اور نہ اسلام کا بزورِ شمشیر پھیلانا اُسے پسند تھا بلکہ ہر طرح اپنی حفاظت کرنا اور امن کا قائم رکھنا مدِ نظر تھا۔ جن لوگوں نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہے وہ بخوبی واقف ہیں کہ کفارِ مکہ کو آنحضرت سے کس قدر عداوت تھی اور اس عداوت کے باعث انھوں نے رسولؐ کو کیا کیا تکلیفیں پہنچائیں۔ سب سے بڑا خوف انھیں یہ تھا کہ اگر مسلمان زیادہ قوی ہو جائیں گے تو مکہ پر حملہ کریں گے۔ یثرب میں اسلام کی کامیابی کی

خبریں سن سن کر اہل مکہ کا غیظ و غضب بڑھتا جاتا تھا۔ آخر رسولؐ خدا نے مسلمانو
کو یثرب کی جانب ہجرت کی اجازت دی۔ حضرت رسولِ خدا حضرت علیؑ
اور چند دوسرے مسلمان باقی رہ گئے۔ اب مشرکین کو یقین ہوگیا کہ
مسلمانوں کو یثرب میں ایک محفوظ جائے پناہ حاصل ہوگئی ہے
اب عنقریب رسولؐ بھی پہنچ جائیں گے۔ لہٰذا وہاں جانے سے قبل
ان کو یہیں ختم کر دیا جائے۔ رسولؐ کو بھی اطلاع ملی۔ آپ حضرت
علیؑ کو اپنے بستر پر لٹا کر مکہ کو چھوڑ کر مدینہ کو چلے گئے۔

جب رسولؐ کے بخیریت مدینہ پہنچ جانے کی اطلاع قریش کو ملی تو
بہت گھبرائے اور مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ مل کر کوششیں کرنے
لگے کہ اس بڑھتی ہوئی طاقت کو کچل دیں۔ اس کے نتیجہ میں حضرت
کو مشرکینِ قریش اور یہودیوں کے ساتھ بہت سی لڑائیاں لڑنی
پڑیں جن میں اہم موقعوں پر حضرتؐ خود فوجِ اسلام کے ساتھ تشریف
لے گئے۔ اِن غزوات کی مجموعی تعداد ۲۶ ہے جن میں بدر، احد
خندق، حدیبیہ، خیبر اور حنین بہت مشہور ہیں۔ سریوں کی تعداد
۳۶ تھی جن میں سب سے زیادہ مشہور جنگ موتہ ہے جس میں حضرت
جعفرِ طیارؑ شہید ہوئے۔ ان جنگوں میں جنابِ رسولؐ خدا کے دست
راست حضرت علیؑ تھے۔ اور آپ نے اہم فوجی خدمات انجام دیں۔

# عہدِ رسولؐ کے مشہور غزوات

## غزوۂ بدر ۲ھ

مدینہ سے اسّی میل پر بدر ایک گاؤں تھا۔ مدینہ میں خبر پہنچی کہ قریش بڑی آمادگی کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں اور یہ بھی سنا گیا کہ ابوسفیان تیس سواروں کے ساتھ ہزار آدمیوں کے قافلہ کے ہمراہ شام سے اسباب تجارت لا رہا ہے۔ اس طرح مسلمان دونوں طرف سے گھر جاتیں گے۔ رسولِ خدا ۳۱۳ ہمراہیوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور مقام بدر پر جا اُترے۔ قریش ۹۵۰ آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ ابوسفیان سے ملنے کو روانہ ہوئے۔ لڑائی ہوئی۔ خدا نے مسلمانوں کو فتح دی۔ اس لڑائی میں اسلام کے پرانے دشمن ابوجہل۔ عاص، شیبہ عتبہ، ولید بن عتبہ وغیرہ مارے گئے۔ اس غزوہ کے علم بردار حضرت علیؑ تھے۔

غزوۂ بدر کے بعد کفار کا گھر ماتم کدہ بن گیا اور مقتولینِ بدر کے انتقام کے لئے مکّہ کا بچہ بچہ بے چین تھا اور اُحد کا معرکہ اسی جوش کا نتیجہ تھا۔

## غزوۂ اُحد ۳ھ

جنگِ بدر کا بدلہ لینے کے لئے ابوسفیان نے تین ہزار فوج سے مدینہ پر چڑھائی کی۔ آنحضرت کے ساتھ پورے ایک ہزار آدمی بھی نہیں تھے۔ یہ لڑائی اُحد پر ہوئی جو مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے جنابِ رسولِ خدا نے مسلمانوں کو تاکید کر دی تھی کہ لڑائی ختم ہو جائے مگر پشت کے تیراندازوں کا دستہ اپنی جگہ سے نہ ہٹے مسلمانوں کی فتح ہونے کو ہی تھی کہ مسلمانوں کا وہی دستہ خلافِ حکمِ رسولؐ مالِ غنیمت کے لالچ میں وہاں سے ہٹ گیا۔ غرض فتح شکست میں تبدیل ہو گئی اور حضرت امیر حمزہؓ شہید ہو گئے۔

## غزوۂ خندق ۵ھ

یہود بنی نضیر جو خیبر میں جلاوطن ہو گئے تھے۔ آنحضرتؐ سے انتقام لینے کے درپے تھے۔ ان میں سے بعض اشخاص نے مکہ جا کر ابوسفیان کو ملا لیا۔ اور پھر بنی غطفان اور بنی قیس وغیرہ بہت سے قبائل میں جا کر ان کو اپنا شریک کر لیا۔ مختصر یہ ہے کہ ایک بھاری لشکر رسولؐ سے جنگ کرنے کے لئے مدینہ کی طرف بڑھا۔ رسولؐ مدینہ سے نکلے اور جناب سلمان فارسی کی رائے لے کر کوہ سلع کے آگے ایک پانچ گز چوڑی

پانچ گز گہری خندق کھدوائی۔ لیکن عمرو بن عبدود جس کو اہل عرب ایک ہزار بہادروں کے برابر جانتے تھے۔ ایک رات اس خندق کو بھی پار کر کے آگیا۔ اس وقت ایک حضرت علیؑ کی شخصیت تھی جنہوں نے پاپیادہ جنگ کی اور ایک وار میں دشمن کا کام تمام کر دیا اور فتح کا اعلان کر دیا۔

## غزوہ حدیبیہ ٦ھ

مندرجہ بالا جنگوں کے بعد جب مشرکینِ مکہ کی طرف سے کوئی جنگی کارروائی نہیں ہوئی۔ تو ہجرت کے چھٹے سال حضرتؐ نے مکہ معظمہ کے حج کا ارادہ کیا۔ اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے مگر جب قریش کو رسولؐ کے آنے کی اطلاع ہوئی تو وہ مکہ سے باہر نکل کر رسولؐ کا راستہ روکنے پر تیار ہوئے اور انھوں نے کہا کہ ہم اپنی آنکھوں سے آپ کا شہر مکہ میں ورود نہیں دیکھ سکتے۔ مکہ والوں کا یہ جارحانہ اقدام دیکھ کر حضرت ایک چشمے پر جس کا نام "حدیبیہ" تھا رک گئے اور امن پسندی سے کام لیتے ہوئے اُن کے ساتھ ایک تحریری صلح نامہ کر لیا۔ اس صلح نامہ کے کاتب حضرت علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام تھے۔ اس کے شرائط حسب ذیل تھے:۔

(۱) رسولؐ اس سال مع اپنے متبعین کے بغیر حج کیے ہوئے واپس جائیں۔

(۲) دس سال تک آپس میں کوئی جنگ نہ ہو۔

(۳) اگر مکہ والوں میں سے کوئی جا کر مسلمانوں میں شامل ہو جائے تو مسلمانوں کا یہ فرض ہوگا کہ وہ اُسے واپس کر دیں۔

(۴) اگر کوئی مسلمان بھاگ کر مشرکین کے پاس آ جائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

(۵) عرب کے تمام قبیلوں کو اختیار رہے کہ چاہے وہ رسولؐ اسلام کے ساتھ معاہدہ کر لیں یا مکہ والوں کے ساتھ ہو جائیں۔

(۶) سالِ آئندہ مسلمانوں کو مکہ کی زیارت کا حق حاصل ہوگا لیکن وہ وہاں تین روز سے زیادہ قیام نہیں کر سکیں گے۔

(۷) مسلمان اس موقع پر اپنے سفری اسلحہ کے ساتھ یعنی تلوار کو غلاف میں رکھ کر آ سکیں گے۔

یہ صلح بہت اہمیت رکھتی ہے لیکن بعض مسلمان جو اس معاہدے کی گہرائی تک نہ پہنچے تھے بڑی ناراضگی کا اظہار کر رہے تھے مگر حضرت رسولؐ نے اس لیے کہ جارحانہ حملہ کا الزام آپ پر عائد نہ ہو۔ ان شرائط پر صلح کر کے مکہ سے واپسی اختیار کی اور دوسرے سال معاہدہ کے

مطابق حج کے لئے تشریف لے گئے اور حسبِ معاہدہ تین دن کے بعد
مکہ کو چھوڑ دیا۔

## غزوۂ خیبر ۷ھ

۷ھ میں یہ سنا گیا کہ خیبر کے یہودیوں نے جو مدینہ اور اس کے نواح
سے جلاوطن ہوئے تھے۔ مسلمانوں سے جنگ کی بڑی تیاری کی ہے
آنحضرت یہ سُن کر سولہ سو آدمیوں کے ساتھ چلے مگر جب مسلمان
خیبر میں پہنچے تو وہاں کے یہودی اپنے قلعوں میں پناہ گزیں ہو گئے مختلف
صحابہ سردارِ لشکر بن کر جاتے رہے لیکن فتح حاصل نہ کر سکے۔ آخر میں حضرت
علیؑ نے علم سنبھالا اور اس مشہور فتح کا سہرا حضرت علیؑ کے سر بندھا۔

## غزوۂ حنین ۸ھ

مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر طائف کی طرف ایک وادی ہے اس
کا نام حنین ہے۔ یہ جنگ ۸ھ میں اسی مقام پر ہوئی۔ حضرت علیؑ
حسبِ معمول علمبردار تھے۔ جنگ بہت زور سے ہوئی۔ مسلمان بکثرت
مارے گئے۔ بہت زخمی ہوئے۔ زیادہ تر بدحواس ہو کر بھاگ گئے صرف
چار اشخاص حضرت علیؑ، حضرت عباسؓ، ابن الحارث اور ابن مسعود

حضرت کے ساتھ جمے رہے۔ یہ حضرات اور آنحضرتؐ اسی طرح جمے رہے یہاں تک کہ تمام مسلمان پھر واپس آگئے۔ اور کافروں سے جنگ ہوئی۔ اب مسلمان کامیاب ہوگئے۔

آنحضرت خدا کے رسولؐ تھے۔ وہ رحمۃ اللعالمین بن کر دنیا میں آئے تھے۔ اُن کا اولین اور آخرین مقصد دنیا میں اسلام کی تبلیغ اور امن کا قیام تھا۔ آپ نے کفار اور مشرکین سے جنگیں لڑیں لیکن اس وقت جب کہ معلوم ہوا لشکر تیار ہوچکا ہے۔ اپنے لشکر کو تیار کیا۔ جب تک ابتدا اِدھر سے نہ ہوگئی خود ابتدا نہ کی۔ جس وقت دشمن نے صلح چاہی اُس وقت صلح کی۔ اُس کی بہترین مثال صلح حدیبیہ ہے۔ رسولؐ کی جنگیں جارحانہ نہیں، دفاعی جنگیں تھیں۔

اب سوال یہ ہے کہ رسولؐ نے ہمارے سامنے کیا نظامِ حکومت پیش کیا۔

مثال کے طور پر کچھ نمونے آپ کی سیاست اور ملکی نظام کے جو کہ بیرونی اور داخلی انتظام پر مشتمل ہے پیش کئے جاچکے ہیں۔ جن سے آپ ایک ماہرِ تنظیم، بہترین سیاست داں اور ایک مدبر معلوم ہوتے ہیں اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا نظامِ فکر وحیِ ربانی پر قائم تھا۔ آپ کی سیاست، حسنِ تدبیر، مساوات اور اخوت کی علمبردار ہے

اقلیت، اکثریت کے مظالم بیشتر مقامات پر برداشت کر رہی ہے افریقہ اور لنکا میں ہندوستانی اس زمانہ میں جو کہ نہایت مہذّب زمانہ کہا جاتا ہے۔ وہاں کے حقِ شہریت اور مساوات سے محروم ہیں۔ گذشتہ سالوں میں افریقہ میں (DURBAN) کا فسادا قلّیت پر مظالم کی بدترین مثال ہے۔ ان ممالک میں ہندوستانی نہ صرف حقِ شہریت ہی سے محروم ہیں۔ بلکہ ان کی نقل وحرکت پر بھی پابندی ہے۔ اِن ممالک کے سامنے رسولؐ کا برتاؤ ذمّی لوگوں کے ساتھ مساوات کی بہترین مثال ہے۔

رسولؐ نے ہمارے سامنے جو نظامِ حکومت پیش کیا وہ ایک ملک یا قوم کے لئے نہیں بلکہ عالمگیر حیثیت رکھتا ہے اور صرف قومی نہیں بلکہ بین الاقوامی فلاح کا ضامن ہے اور کل انسانیت کی ترقی و فلاح وامن کی اس میں وسعت ہے۔

# حضرت علیؑ کا سیاسی مقام

## باقی آئمہ طاہرین کا ذیلی تذکرہ

امامت وہ ریاستِ عامہ ہے جو بندوں کی اصلاح کے لئے پیغمبرؐ کی جانشینی سے کسی کو حاصل ہو۔ وہ امام، خلیفہ اور جانشینِ رسولؐ کہلاتا ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر نبی کی وفات سے قبل امام کا مقرر ہونا ضروری ہے۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ یہ تقرر خدا کی جانب سے ہونا چاہیئے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ نبیؐ ایک واسطہ ہے۔ خدا کے احکام ہم تک پہنچانے کا اور اپنی جانب سے کچھ نہیں کرنا۔ لہذا اس کے جانشین کے مقرر کرنے کا حق بھی خدا ہی کو حاصل ہے ________ جو لوگ بعد جناب رسالتمآبؐ حضرت علیؑ کو خلیفہ بلا فصل مانتے ہیں وہ شیعہ کہے جاتے ہیں۔

حضرت علیؑ کی امامت کو ہم نصِ قطعی کے ماتحت قرار دیتے ہیں اور آپ کے بعد امام حسنؑ اور باقی اماموں کے قائل ہیں اور ان سب

کا تقرر اللہ کی جانب سے سمجھتے ہیں۔ یہ جماعت امامیہ اثنا عشریہ کہلاتی ہے
شیعہ کی شاخ اسماعیلی بھی ہیں۔

آئمہ اثنا عشر کی امامت کے ثبوت میں جناب رسولِ خدا کی وہ حدیث پیش کی جاتی ہے جو جابر بن عبداللہ انصاری صحابی رسولؐ سے مروی ہے اور جس میں رسولِ خدا نے قرآنی آیت کی شرح کرتے ہوئے نام بنام آئمہ اثنا عشر کی خلافت کا اعلان فرمایا ہے۔

## حدیث

جابر بن عبداللہ انصاری صحابی رسولؐ کہتے ہیں کہ جب آیہ یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ نازل ہوئی تو میں نے جنابِ رسولِ خدا کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ ہم نے خدا کو پہچانا اور اس کی اطاعت کی اور ہم نے آپ کو بھی پہچانا اور اطاعت کی۔ اب حضور ارشاد فرمائیں کہ اولی الامر جن کی اطاعت کا خدا نے ہم کو حکم دیا ہے۔ وہ کون ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ اے جابر وہ میرے خلیفہ و جانشین ہیں جو میرے بعد تمام

---

ٓ حضرت علامہ سید مجتبیٰ حسن صاحب قبلہ کاموں پوری مجتہد العصر کی کتاب "شیعہ مذہب" جب شائع ہو گی تو تشیع کی عظمت اور فرقہ اثنا عشریہ کے علمی و دینی کارنامے دنیا کے سامنے آئیں گے۔

لوگوں کے حاکم ہوں گے۔ جن میں

(۱) پہلے خلیفہ میرے بھائی علیؑ بن ابی طالب ہیں۔

(۲) پھر اُن کا بیٹا حسنؑ

(۳) پھر حسینؑ

(۴) پھر علیؑ ابن حسینؑ

(۵) اس کے بعد محمدؑ بن علیؑ

اور اے جابر عنقریب اُن کی زیارت سے مشرف ہو گے۔ پس جب تم مشرف بہ زیارت ہو تو انہیں میرا سلام پہنچا دینا۔

(۶) پھر جعفرؑ بن محمدؑ

(۷) پھر موسیٰؑ ابن جعفرؑ

(۸) پھر علیؑ ابن موسیٰؑ رضا

(۹) پھر محمدؑ بن علیؑ

(۱۰) پھر علیؑ بن محمدؑ

(۱۱) پھر حسنؑ بن علیؑ

(۱۲) پھر محمد بن حسنؑ جو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے جس طرح وہ جور و ظلم سے بھر گئی ہو گی۔

رسولؐ اللہ کے بعد جانشینِ رسولؐ اور پیشوائے خلق یہی بارہ امام ہیں

جن کی اطاعت، اُمت رسول پر فرض و لازم ہے اور جن کی امامت کی رسولؐ اللہ نے خاص طور پر تبلیغ کر دی تھی اور یہ بھی فرمایا تھا کہ جو ان سے متمسّک ہو وہ کامیاب ہے۔ ایک حدیث میں حضرت علیؑ کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :۔

"میرے بعد تمہاری اور ان آئمہ کی مثال جو تمہاری نسل سے ہوں گے کشتیٔ نوح کی مثل ہے جو اس میں سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو سوار نہ ہوا وہ غرق ہو گیا۔

اور ہر امام نے اپنے بعد کے لئے دوسرے امام کا تعین کیا جیسا کہ رسولِ خدا نے حضرت علیؑ سے فرمایا تھا کہ :۔

"تمہاری مثال مثل ستاروں کے ہے کہ قیامت تک جب کوئی ستارہ غائب ہو گا تو اس کے بجائے دوسرا ستارہ طلوع کریگا"

یہ حدیث اس بات پر بھی استدلال کرتی ہے کہ دنیا امام سے خالی نہیں رہ سکتی۔ فی زمانہ امام مہدیؑ عالم کی رہنمائی کا ذمہ لئے ہوئے ہیں۔

بادشاہانِ وقت جو رسولؐ اللہ کی خلافت کے غلط دعویدار تھے وہ ہمیشہ ان بزرگی کی مخالفت کرتے رہے اور تمام کوششیں کیں کہ ان کا مسلک پامال ہو جائے۔ انھوں نے اُنھیں قید رکھا تکلیفیں

پہنچائیں۔ مگر وہ ہمیشہ اپنے فرائض کو انجام دیتے رہے یہی وجہ ہے
کہ تشیع آج بھی زندہ اور مستحکم ہے

یہ بارہ خلیفہ اگرچہ محتاجِ شرح نہیں تاہم سب پر الگ الگ
اجمالاً غور کیا جائے گا۔ اور حضرت علیؑ پر کسی قدر تفصیلی نظر ڈالی
جائے گی۔

(خاندانِ جنابِ رسولِؐ خدا کا نقشہ اگلے صفحے پر دیکھئے)

# خاندانِ جنابِ رسولِ خدا کا نقشہ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت فاطمہ زہرا

حضرت علیؑ ابن ابی طالب

حضرت امام حسن متوفی ۵۰ھ

حضرت حسن مثنیٰ

حضرت عبداللہ محض

حضرت محمد نفس زکیہ — حضرت ابراہیم

حضرت امام حسین شہید ۶۱ھ

حضرت امام زین العابدین متوفی ۹۴ھ

حضرت امام محمد باقر متوفی ۱۱۳ھ

حضرت امام جعفر صادق متوفی ۱۴۸ھ

حضرت اسمٰعیل

" محمد

" اسمٰعیل

" محمد

" احمد

" عبداللہ

" احمد

" حسین

حضرت عبداللہ مہدی بانی دولت فاطمیہ متوفی ۳۲۲ھ

حضرت امام موسیٰ کاظم متوفی ۱۸۳ھ

حضرت امام علی رضا متوفی ۲۰۳ھ

حضرت امام علی نقی متوفی ۲۲۰ھ

حضرت امام محمد تقی متوفی ۲۵۴ھ

حضرت امام حسن عسکری ۲۶۰ھ

حضرت امام محمد مہدی منتظر

غیبت (۲۶۰ھ)

حضرت محمد ابن الحنفیہ

# فضائل وکمالاتِ حضرت علیؑ

جناب امیر اپنے فضائل و عادات کے لحاظ سے حقِ خلافت رکھتے تھے اور دوسرے یہ کہ خود رسولؐ اللہ نے بھی غدیر خم میں اور اس کے قبل و بعد متعدد بار اپنے بعد ولایت و وصایتِ علیؑ کی صراحت فرمائی تھی۔

وہ خصوصیات جو آپ کو دوسرے صحابہ سے ممتاز کرتی ہیں اور جن میں سے چند کا ذکر مختصر طور پر آپ کی سوانح حیات میں بھی آچکا ہے ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) جناب امیرؑ کی اول خصوصیت یہ تھی کہ آپ نے سب سے پہلے اسلام کی خدمت کی اور رسولؐ کی تصدیق کی۔

(۲) دوسرا ثبوت ان کی امامت کا یہ ہے کہ جب جنابِ رسولِ خداؐ کو وَاَنذِر عَشِیرَتَکَ الاَقرَبِینَ کی ہدایت ہوئی تو آپ نے اپنے اعزہ و اولادِ عبد المطلب و ہاشم کو جمع کر کے ایک تقریر کی اور اس میں جنابِ امیر کو اخی و وصیی و خلیفتی فیکم (اپنا بھائی، اپنا ولیعہد اور جانشین) ظاہر کیا۔

(۳) تیسری خصوصیت یہ ہے کہ جیسا کہ اس سے قبل بھی تحریر کیا

جا چکا ہے کہ جب رسول ص نے مکہ سے پوشیدہ طور پر ہجرت کی تو حضرت علیؑ ان کی بجائے ان کے بستر پر لیٹے۔ یہ جان نثاری کا سب سے قوی ثبوت ہے۔

(۴) چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ مسجد نبوی کے چاروں طرف جتنے صحابہ کے گھر تھے۔ ان سب کے دروازے رسول ص نے بند کروا دیے حضرت علیؑ کا دروازہ صحنِ مسجد کی طرف کا بند نہیں ہوا۔

(۵) پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ جنگِ بدر، جنگِ احد اور جنگِ خیبر وغیرہ میں جو کارہائے نمایاں آپ نے انجام دیے، وہ دوسروں سے ظاہر نہ ہو سکے۔ بلکہ بعض موقعوں پر تو تمام صحابہ رسولؐ کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے اور صرف حضرت علیؑ رہ گئے۔ لہذا انہیں خصوصیات، جرأت اور وفاداری کی وجہ سے رسول ص نے خیبر کی مہم پر روانہ کرتے وقت آپ کو "کرار غیر فرار" کہا تھا۔

(۶) چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ جب غزوۂ تبوک میں رسول ص نے اپنے ساتھ سب صحابہ کو چلنے کا حکم دیا تو حضرت علیؑ کے متعلق ارشاد ہوا کہ وہ مدینہ ہی میں قیام کریں جس پر منافقین نے غلط افواہ اڑا دی۔ اس وقت رسولِ اکرمؐ نے فرمایا کہ "کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی سوائے اس کے کہ میرے بعد اب

کوئی نبی نہیں ہوگا۔"

(۷) ساتویں خصوصیت یہ ہے کہ جب سورۂ برائت نازل ہوئی تو رسول اللہ نے حضرت ابوبکر کو مامور کیا کہ جا کر اہل مکہ کو اس کی تبلیغ کریں جب وہ چلے گئے تو وحی نازل ہوئی کہ اس کی تبلیغ خود رسول کو کرنی چاہیئے یا اپنے کسی عزیز قریب کے ذریعہ سے کروانی چاہیئے۔ چنانچہ آپ نے جناب امیر کو روانہ کیا کہ وہ حضرت ابوبکر سے سورۂ برائت لے کر اہل مکہ کو جا کر سنائیں اور پھر فرمایا" علی مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں اور اپنی ترجمانی میں خود کر سکتا ہوں یا علیؑ "

(۸) آٹھویں خصوصیت یہ ہے کہ جناب امیر جب تبلیغ اہل یمن کے لئے مقرر ہوئے تو رسولؐ نے آپ کے خلاف چند شکایتیں سن کر فرمایا" مجھ سے علیؑ کی برائی نہ کرو۔ علی مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں۔ وہ میرے بعد تمہارا حاکم ہے۔"

(۹) آخری ثبوت وہ خطبہ ہے جو حجۃ الوداع اور غدیر خم سے متعلق ہے رسولِ خدا جب آخری حج سے فارغ ہوئے اور اس کے بعد قافلہ نبوی غدیر خم پر پہنچا تو حضرت نے سب کو روک کر ایک تقریر فرمائی اور انہیں اپنی شہادت کی خبر دیتے ہوئے کہا من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ (میں جس کا مولا ہوں علی بھی اس کا مولا ہے) یہ بھی کہا کہ میں اپنے بعد دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ قرآن اور اہل بیت، اُن کی پیروی کرنا۔

---

# وفاتِ رسولؐ کے بعد کیا ہوا؟ حضرت علیؑ نے عملی طور پر کیا مثالیں پیش کیں

چونکہ رسول ایک انسان تھے اور انسان کی زندگی محدود ہے آپ نے ۱۱ھ میں رحلت فرمائی لیکن جیسا کہ ایک رسول کا فرض ہے کہ وہ اس شریعت کے تحفظ کے لئے جس کی تبلیغ اس کی زبانی ہوئی اور نیز افرادِ اُمت کی عملی تربیت اور ان کو احکام شریعت کی صحیح تعلیم دینے کے لئے اپنا ایک ایسا جانشین مقرر کر دے جو تمام افرادِ اُمت میں پورے طور پر اس رسول کی شریعت اور تعلیم کی حفاظت کرنے کے قابل ہو جناب محمد مصطفےٰ نے بھی اپنا ایسا جانشین مقرر کیا جو کل افرادِ اُمت میں تعلیماتِ رسولؐ کا پورے طور پر محافظ بن سکتا تھا اور ہدایتِ خلق کا کام بخوبی انجام پاتا رہتا۔ رسولؐ تو اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے۔ لیکن جہاں رسولؐ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی تعلیم کو برقرار رکھنے

کے لئے اپنا جانشین مقرر کرے وہاں افرادِ اُمت کا یہ فرض ہے کہ رسولؐ کے منتخب شدہ جانشین کو جسے اُس نے خدا کے حکم سے مقرر کیا ہے اپنا خلیفہ اور پیشوا مانیں اور اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کریں۔ لیکن اسلام میں ایسا نہیں ہوا۔ حالانکہ حضرت علیؑ تمام صحابہ اور اُمتِ رسولؐ میں سب سے افضل و بہتر تھے۔ رسول کے علمی اور عملی کمالات کا بہترین نمونہ تھے۔ آپ سے بڑھ کر کوئی اس منصب کا مستحق نہیں تھا۔

## عہدِ خلفائے ثلاثہ میں حضرت علیؑ کا طرزِ عمل

سرورِ کائناتؐ کی روح جب قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی تو انصار حکومت کے انتظام کے لئے فوراً سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو گئے۔ انصار دو خاندانوں میں بٹے ہوئے تھے اوس اور خزرج۔ قبیلہ خزرج بڑا تھا اور اس کے سردار سعد بن عبادہ تھے۔ انصار سعد کا انتخاب چاہتے تھے۔ یہ خبر جب مہاجرین کو پہنچی تو وہ عجلت کے ساتھ سقیفہ میں آ گئے حضرت ابوبکر نے حاضرین کو ایک حدیث سنائی "الائمۃ من قریش" یعنی جنابِ رسولِ خدا کا ارشاد ہے کہ خلیفہ قبیلہ قریش ہی سے ہوگا اس میں اس سلسلہ میں کچھ بے لطفی ہوئی۔ آخر میں حضرتِ عمر نے حضرتِ ابوبکر

کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور لوگوں نے بھی بیعت کی۔ حضرت علیؑ اور چند دیگر صحابہ جو رسولؐ اللہ کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے۔ اس بیعت میں شریک نہیں ہوئے۔ حضرت ابو بکر نے سوا دو سال تک حکومت کی ۱۳ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ باوجود نقطۂ نظر کے اختلاف کے حضرت علیؑ نے مشترک مسائل اور اسلامی مفاد میں حکومت سے پورا پورا تعاون فرمایا۔

حضرت عمر نے بھی ۱۳ھ میں بذریعہ استخلاف منصب خلافت حاصل کیا۔ حضرت ابو بکر نے اُن کو اپنے بعد کے لئے نامزد کیا۔ حضرت عمر نے ۱۳ھ سے ۲۳ھ تک حکومت کی۔ اس عہد میں بھی حکومت کی علمی و فقہی دشواریوں کے حل کے لئے حضرت علیؑ کی صلاحیتیں وقف تھیں۔ حضرت عمر کہا کرتے تھے "خدا مجھے اس دن کے لئے زندہ نہ رکھے جب کسی مشکل کا سامنا ہو اور علیؑ موجود نہ ہوں۔"

حضرت عثمان کی خلافت ۲۳ھ سے ۳۵ھ تک رہی۔

حضرت عمر نے ابو لولو کے حملہ سے زخمی ہونے کے بعد زندگی کے آخری ایام میں وصیت کی کہ خلافت چھ آدمیوں میں منحصر رکھی جائے علیؑ۔ طلحہ۔ زبیر۔ سعد بن ابی وقاص۔ عبد الرحمن بن عوف۔ عثمان بن عفان۔ یہ چھ آدمی جسے منتخب کریں وہ خلیفہ ہو گا۔ اور اگر دو پارٹیاں ہو جائیں تو جدھر زیادہ آدمی ہوں اُسے ترجیح ہو گی۔ اگر رائے مساوی

ہو تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف جس طرف ہوں اُسے ترجیح ہوگی۔

اور اگر ایک طرف چار یا پانچ ہوں اور دوسری طرف ایک یا دو تو

اس ایک یا دونوں کو قتل کر دیا جائے۔

(تاریخ کامل ابن اثیر)

۲۹ ذی الحج ۲۳ھ کو جب حضرت عمر قتل کر دیئے گئے تو ان کی

وصیت پر عمل شروع ہوا۔ جلاد سروں پہ تلواریں لے کر کھڑے ہو گئے

عبدالرحمٰن بن عوف کی صدارت میں تمام اُمیدوار جمع ہوئے عبدالرحمٰن

مصلحتہ دعوائے خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ زبیر نے کہا میں نے

اپنا حق علیؑ کو دیدیا۔ طلحہ نے اپنا حق عثمان کو دیدیا۔ سعد نے اپنا حق

عبدالرحمٰن کو دے دیا۔ اب معاملہ حضرت علیؑ اور عثمان کے درمیان

رہ گیا۔ عبدالرحمٰن نے اپنے آپ کو حکم بنا کر پیش کیا۔ پہلے حضرت علیؑ

کے سامنے حکومت کو چند شرائط کا پابند بنا کر رکھا گیا۔ آپ سے کہا گیا

(۱) آپ کتابِ خدا اور سنتِ رسولؐ کے مطابق حکومت کرینگے۔

حضرت علیؑ نے جواب دیا۔ بیشک۔

(۲) آپ ابوبکر و عمر کی سیرت پر عمل کریں گے۔

حضرت علی ع نے فرمایا کہ میں صرف کتابِ خدا اور سنتِ رسولؐ کی

پیروی کا عہد کر سکتا ہوں اور بس۔

حضرت عثمان نے دونوں شرطیں مان لیں۔ عبدالرحمن نے ہاتھ بڑھا کر حضرت عثمان کی بیعت کر لی۔ حضرت عثمان خلیفہ ہو گئے۔

حضرت عثمان نسلی طور پر اموی تھے۔ حضرت عثمان کا خلیفہ ہوتے ہی اموی نسل پوری حکومت پر مسلط ہو گئی۔

حضرت عثمان نے خلیفہ ہونے کے بعد مندرجہ ذیل مقامات پر حسب ذیل عمال کا تقرر کیا۔

(۱) مکہ۔ عبداللہ بن حضرمی

(۲) طائف۔ قاسم بن ربیعہ ثقفی

(۳) صنعا۔ یعلیٰ ابن منیہ

(۴) جند۔ عبداللہ بن ربیعہ

(۵) بصرہ۔ عبداللہ بن عامر

(۶) کوفہ۔ ابو موسیٰ اشعری

(۷) شام۔ معاویہ بن ابوسفیان

(۸) قنسرین۔ حبیب بن مسلمہ فہری

(۹) مصر۔ عبداللہ بن سعد

بیت المال پر عقبہ بن عامر اور قضا پر زید بن ثابت تھے۔
بڑی بڑی ولایتیں صرف پانچ تھیں۔

(۱) بصرہ - اس کے تابع تمام مشرقی مقبوضات تھے۔

(۲) کوفہ - رے اور آذربائیجان کا دارالحکومت۔

(۳) قنسرین - اس کے ماتحت سارا آرمینیہ تھا۔

(۴) مصر - کل افریقی مقبوضات کا مرکز تھا۔

(۵) شام - پورے چار صوبوں - حمص، دمشق، فلسطین اور اردن کا مجموعہ تھا۔ ان پانچ میں سے تین پر ان کے رشتہ دار مسلط تھے جو اپنے ماتحت عمال کو خود مقرر کرتے تھے۔ کوفہ میں بھی پہلے سعد بن عاص تھے جو حضرت عثمان کے عزیز تھے۔ یہی بنا تھی کہ لوگوں نے حضرت عثمان پر تنقید کے موقع پر کہا کہ انہوں نے تمام اسلامی مقبوضات کو اموی مقبوضہ بنا دیا اور ملک کی جاگیر کو بنی امیہ کی جاگیر قرار دے دیا۔

حضرت عثمان اقربا کی بہت پرورش کرتے تھے۔ انہوں نے خزانہ کا دروازہ اپنے اور اپنے اقربا پر کھول دیا تھا۔ عوام میں اس درجہ اشتعال پھیل گیا تھا کہ آخر ۳۵ھ میں انہیں قتل کر دیا گیا۔

## حضرت عثمان اور ان کے قتل کے اسباب

حضرت عثمان کے عہد میں کافی انتشار رہا اور باقاعدہ اعلانِ مخالفت

کا دور اسی زمانہ سے شروع ہوتا ہے۔

بنی اُمیہ کی بے جا حرکات اور بیت المال پر بیجا تصرف نے عوام کو مشتعل کر دیا۔ چاروں طرف مخالفتیں شروع ہو گئیں حضرت عثمانؓ نے تختِ حکومت پر بیٹھ کر تھوڑے ہی عرصہ میں جو تبدیلیاں کیں وہ لوگوں کو بے حد ناگوار گذریں۔ اکثر مقامات سے سابق عمّال کو برطرف کر کے بنی اُمیہ کو مقرر کیا۔ یہ عمّال شریعت کے پابند بھی نہ تھے۔ مصر سے عمرو عاص کو معزول کر کے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مقرر کیا اور یہ وہ شخص تھا جو رسولؐ کے زمانہ میں ہی مشرکوں سے مل گیا تھا۔ اور جس کا خون سرورِ کائنات نے حلال فرما دیا تھا۔ کوفہ سے حضرت عمار یاسر کو معزول کر کے اپنے بھائی ولید بن عقبہ کو مقرر کیا جو اسلام سے ناواقف تھا اور ہر وقت شراب کے نشہ میں رہتا تھا۔ بصرہ سے ابو موسیٰ اشعری کو معزول کر کے اپنے خالہ زاد بھائی عبداللہ بن عامر کو مقرر کیا۔ ولایتِ شام پر اپنے چچا زاد بھائی معاویہ بن ابی سفیان کو مقرر کیا اور فلسطین کا حاکم عمرو عاص کو مقرر کیا۔ ان جدید والیانِ ملک کے ظلم و تشدد اور بداعمالی سے باشندگانِ ممالکِ اسلام تنگ آ گئے تھے اور باوجود آہ و فریاد کے مرکز میں کچھ شنوائی نہیں ہوتی تھی۔

مجاہدین، انصار اور اصحابِ رسول سے بے رُخی کی گئی اور بنی اُمیّہ پر ابرِ کرم برسایا جاتا رہا۔ حضرت عثمان کے سات محل شمار کئے گئے ہیں جو اپنی بی بی نائلہ اور بیٹی عائشہ کے لئے صرف بیت المال کے پیسے سے تیار کرائے تھے۔ قریب قریب ایک ہزار غلام تھے ان کے اخراجات بھی بیت المال سے پورے کئے جاتے تھے۔

مروان کو اپنا وزیر اعظم بنا کر سلطنت کا تمام نظم و نسق اس کے حوالے کر دیا اور کل سیاہ و سفید کا اختیار دے دیا۔ جو چاہتا کرتا جسے چاہتا مال دیتا اور جس کو چاہتا محروم کر دیتا۔ خود حضرت عثمان کی مہر ثبت کر دیتا۔ جو کام چاہتا۔ ملازمین شاہی سے لیتا۔ اصحاب کی ذلت کرتا اور اس پر بھی جو رائے وہ دیتا حضرت عثمان اس پر عمل کرتے تھے۔ حالانکہ قوم مروان کو طلب کرتی اور حضرت عثمان کو چھوڑ دینا چاہتی۔ لیکن انہوں نے اپنا قتل ہونا گوارا کر لیا لیکن مروان کو قوم کے حوالے نہ کیا۔

اصحابِ رسول اور دینِ اسلام کے بزرگوں پر جو تشدد کئے کئے گئے وہ بیان سے باہر ہیں صرف چند مثالیں بطورِ نمونہ پیش کی جاتی ہیں۔

حضرت عثمان کی شکایتیں

(۱) حضرت عبدالرحمن بن عوف نے حضرت

جنابِ علی سے کہیں اور تلوار اٹھانے کے لئے کہا۔ اُڑتی ہوئی خبر حضرت عثمان تک پہنچی۔ تو انہیں منافق کہا۔

(۲) جب زیادتیاں حد سے زیادہ بڑھ گئیں تو صحابہ نے مِل کر ایک محضر نامہ تیار کیا۔ اس میں تمام شکایتیں درج کیں اور حضرت عمار یاسر کے ہاتھ چند غلاموں کے ساتھ حضرت عثمان کے پاس روانہ کیا عمارؓ پہنچے اور کہا کہ ایک تحریر اصحابِ رسولؐ کی طرف سے لایا ہوں جس میں وہ افعال درج ہیں جو شریعتِ محمدیہ کے خلاف ہیں اس پر حضرت عثمان بگڑے اور مع غلاموں کے ان کو زدوکوب کرنے کا حکم دیا۔ اتنا مارا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ غش کھا کر زمین پر گر پڑے بنی مغیرہ یہ حال سنکر بہت غضبناک ہوئے کہ اگر عمار فوت ہو گئے تو عثمان کو زندہ نہیں چھوڑیں گے (تاریخ خمیس دیار بکری جلد ۲ صفحہ ۲۹۲) حالانکہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ ایک مقدس صحابی اور مضبوط کردار کے بزرگ تھے۔

(۳) عمار یاسر کے اس ماجرہ کو سن کر حضرت ابو ذر غفاریؓ بہت ناخوش ہوئے اور بار بار اس واقعہ کو یاد کرتے اور حضرت عثمان پر تنقید کرتے معاویہ کو خبر ہوئی تو حضرت عثمان کو اطلاع دی۔ انھوں نے جواب میں تحریر کیا کہ فوراً ابو ذرؓ کو ایک سرکش ناقہ پر سوار کر کے ایسے شخص کے

ہمراہ بھیجدو جو نہایت سختی سے لائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور راستہ میں انہیں بہت تکلیف ہوئی۔ رانوں سے خون بہنے لگا۔ اور گوشت کٹ کٹ کر جدا ہو گیا۔ اور پھر شہر بدر کا حکم دیا۔ ربذہ میں اُن کا انتقال ہوا۔

(۴) اہلِ کوفہ کی شکایت پر کعب بن عبیدہ کو زدوکوب کیا۔

(۵) عبداللہ بن مسعود اور ابی بن کعب کی تنخواہیں بند کر دیں اور ابن مسعود کو لات ماری۔

(تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۲۹۳)

(۶) اشرافِ کوفہ کو قید کر کے دربدر پھرایا۔ ان باتوں پر تمام دنیائے اسلام میں مخالفت پھیل گئی اور ہر طرف سے فریاد اور شکایتوں کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

اس کے علاوہ شکایتوں کی پرواہ نہیں کی جاتی تھی جس کی وجہ سے عوام میں زیادہ اشتعال پیدا ہوتا تھا مثلاً

(۱) عبیداللہ بن عمر نے بلا وجہ ہرمز کو قتل کر ڈالا تھا۔ باوجود صحابہ کے اصرار کے ان کو کوئی سزا نہ دی۔

(تاریخ خمیس دیارِ بکری جلد ۲ صفحہ ۳۰۵)

(۲) عبداللہ بن ابی سرح کو جو مشرک ہو کر مشرکوں سے مل گیا

تھا، بلا کر مصر جیسی حکومت اس کے حوالے کر دی۔ حالانکہ اُس نے ظلم و تعدی کی حد کر دی۔ خاصانِ خدا کو قتل کر دیا۔ یہاں تک کہ اوقاتِ نماز بدل دیئے۔ پھر بھی حضرتِ عثمان نے پروا نہیں کی نہ سزا دی نہ معزول کیا بلکہ خوش رہے۔

(۳) ولید بن عقبہ والیٔ کوفہ نے شراب پی کر صبح کی نماز پڑھائی اور لطف یہ کہ چار رکعت پڑھی اور پڑھائی بلکہ یہ بھی کہا کہ کہو تو اور زیادہ کر دوں۔ مگر حضرت عثمان نے اسے معزول نہیں کیا۔

(کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ دینوری جلد اول صفحہ ۲۰)

(۴) ایک دن حضرت عثمان مسجد سے واپس آ رہے تھے ابو سفیان نے کہا۔ اُس کی قسم جس کی میں کھایا کرتا ہوں کہ نہ عذاب ہے نہ جنت ہے نہ جہنم نہ قیامت۔ بجائے اس کے کہ یہ کلمات سن کر حد جاری کرتے دو ہزار دینار بخش دیئے۔

قرآن جیسی مقدس کتاب کے لیئے یہ فرمان جاری کیا کہ جتنے ابی بن کعب کے مصحف ہوں وہ جلا دیئے جائیں۔ چنانچہ جس قدر قرآن مدینہ میں دستیاب ہو سکے جلا دیئے گئے۔ وہ مسلمان جن کے دل میں قرآن کا وقار تھا بہت بگڑے۔

حضرت عثمان نے حضرت عائشہ کی تنخواہ بہت کم کر دی تھی انھوں

نے سخت مخالفت کی۔ اور کہا۔ اپنے قرابت داروں کو خوب کھلایا اور حق داروں کا حق مارا۔ چنانچہ حضرت عائشہ، حضرت عثمان کے قتل میں بہت کوشش کرتی تھیں اور کرتی رہیں۔ وہ کہتی تھیں کہ "ابھی رسول کا کفن کہنہ نہیں ہوا کہ عثمان نے اُن کی شریعت کو کہنہ کر دیا۔ اے لوگو! اس نعثل کو قتل کر ڈالو۔ خدا اُسے زندہ نہ رکھے۔

مسلمانوں کی شکایتیں سُن کر عمرو عاص نے حضرت عثمان سے جا کر کہا کہ مسلمان جو عیوب آپ میں تجویز کرتے ہیں۔ اُن سے توبہ کر لیجئے۔ انھوں نے بگڑ کر کہا کہ میں نے کوئی خطا نہیں کی ہے۔ اس پر عمرو عاص نے کہا کہ یہ کیا کم خطا ہے کہ آپ نے مجھے مقبولِ رسول اور ابوبکر و عمر ہوتے ہوئے معزول کیا۔ کافی دیر بحث رہی اور عمرو عاص یہ کہتے ہوئے اُٹھے کہ عثمان کو قتل کر ڈالو اُن کا خون مباح ہے

(روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۴۷۳)

جب شور و شغب حد کو پہنچ گیا تو ایک روز حضرت علیؑ حضرت عثمان کے پاس تشریف لائے اور انہیں حالات کی اصلاح کی دعوت دی لیکن حضرت عثمان نے اُن کی پُر خلوص نصیحت سے اثر نہ لیا۔

اسی دوران میں مصر کے چند نمائندے مدینہ گئے۔ اور حضرت عثمان

کے سامنے عبداللہ بن ابی سرح کی شکایتیں پیش کیں۔ حضرت عثمان نے اُسے ایک نصیحت کا خط لکھا۔ تو اس نے انہیں جو خط لیے کر گئے تھے مارا، اس پہ طلحہ کو جوش آیا اور حضرت عائشہ اور حضرت علیؑ نے بھی ابی سرح کی معزولی پہ زور دیا۔ لوگوں نے بالاتفاق محمد بن ابی بکر کا نام لیا اور حضرت عثمان نے ان کے نام عہد نامہ لکھ کر والی مصر بنایا۔ محمد اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مصر روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک ناقہ سوار ملا۔ چال رازدارانہ تھی۔ تلاشی لینے پر معلوم ہوا کہ قاصد عثمان ہے اور ایک خط بھی ملا۔ جس میں تحریر تھا کہ محمد کو مع ساتھیوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر سولی دینا۔ یہ دیکھ کر سب آگ بگولہ ہو گئے اور واپس حضرت علیؑ کے پاس پہنچے۔ کہ یہ خط ہے اور آپ عثمان کے پاس چلئے۔ کافی دیر بحث رہی۔ حضرت عثمان نے کہا۔ یہ میرا خط نہیں ہے۔ اس وقت کہا گیا کہ غلام آپ کا۔ ناقہ آپ کا۔ اور پھر اس پہ آپ کی مہر۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ خط آپ کا نہیں۔ اس وقت انھوں نے مروان کی سازش بتائی۔ مروان کو مانگا گیا۔ لیکن انھوں نے دینے سے انکار کر دیا۔ تو کہا گیا کہ خلافت چھوڑ دیجئے۔ اس سے بھی انکار رہا تو اہل مصر، اہل بصرہ اور اہل کوفہ نے مکان کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ حضرت علیؑ نے جو بگڑی حالت دیکھی شہر سے باہر

سکونت اختیار کی ۔ جب واپس آئے معلوم ہوا کہ شورش اور بڑھ گئی ۔ اس کے بعد حضرت پھر مہاجرین کی جماعت کے ساتھ حضرت عثمان کے پاس گئے اور بہت نصیحت کی ۔ لیکن بیکار ۔ جب محاصرہ بہت سخت ہو گیا تو حضرت علی ع کو بلوایا اور آپ نے یہ مشورہ دیا کہ توبہ اور استغفار کا اعلان کر دیں ۔ اعلان کیا ۔ لوگ جمع ہوئے حضرت عثمان بہت روئے ۔ توبہ اور استغفار کر لی ۔ اِدھر حضرت علیؑ نے اہل مصر کو سمجھایا ۔ لیکن مروان نے کہا کہ اس طرح لوگ تمہیں کمزور خیال کرتے ہیں تو پھر حضرت عثمان نے سخت لہجہ میں لوگوں کو ڈانٹا ۔ دو تین مرتبہ حضرت علیؑ نے سمجھایا اور مروان کے کہنے پر حضرت عثمان توبہ سے باز رہے ۔ آخر حضرت علیؑ نے قسم کھائی کہ وہ اب کبھی نصیحت نہیں کریں گے اور نہ آئیں گے ۔

اِدھر حضرت عثمان نے حاکم شام معاویہ اور دیگر امراء کو نصرت کے لئے بلایا ۔ کوئی نہ آیا ۔ بلکہ معاویہ نے کہا جس وقت تک عثمان شریعت پر عمل کرتے رہے ۔ ان کا کام درست رہا اور جب سے خلاف کرنا شروع کیا ۔ خدا اپنی نعمتیں واپس لے رہا ہے ۔

اِدھر محاصرہ سخت ہو گیا ۔ پانی بند ہو گیا ۔ حضرت علیؑ کو یہ اطلاع ملی تو پانی بھجوایا اور مقابلہ کو چالیسواں دن تھا ، لوگ تنگ آ گئے تھے

اس وقت محمد بن ابی بکر اور ان کے دو ساتھی رومان وغیرہ تین اشخاص پیچھے سے گھر میں داخل ہوئے اور حضرت عثمان قتل کر دیئے گئے۔

## حضرت علیؑ کی خلافت

حضرت عثمان کے قتل کے بعد ملک کے گوشہ گوشہ میں جنگ کا خطرہ منڈلا رہا تھا۔ اس لئے کہ خلافت کے بہت سے مدعی پیدا ہو گئے تھے ذمہ دار مسلمانوں نے حضرت علیؑ کو مجبور کیا کہ حضرت خلافت قبول فرمالیں وفاتِ جنابِ رسولِ خدا کو ۲۵ سال کا عرصہ ہو گیا تھا۔ حالات دگرگوں تھے ذہنیت میں تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔ حضرت علیؑ ان حالات میں حکومت قبول کرنے پر راضی نہ تھے لیکن مسلمانوں نے فضا میں جنگ کے بادل منڈلاتے ہوئے دیکھے تو حضرت علیؑ کو شدت سے مجبور کیا کہ حضرت قوم و ملک کے تحفظ کے لئے قربانی پیش کریں اور اس پُرخطر موقع پر خلافت قبول فرمالیں۔ ۳۵ھ میں آپ نے یہ عہدہ سنبھالا۔

## خونِ عثمان

امیر معاویہ نے موقع کو غنیمت جانا اور حضرت عثمان کی خون آلود قمیص شام میں منگوا کر مسجدِ دمشق کے ایک ممبر پر آویزاں کر دی اور اس پر

گریہ وزاری کا حکم ہوا۔ اور قتلِ عثمان کا اتہام حضرت علیؑ پر لگا کر ان سے قصاص لینے کی تحریک اٹھائی۔ حضرت علیؑ سے خون عثمان کا قصاص لینا یہ ایک بہانہ تھا اور اس طرح حضرت سے جنگ کرنا اور خلافت لینا مقصود تھا۔ حضرت عثمان کے خون کے انتقام کی آگ قلوبِ عوام میں مشتعل کر دی گئی۔ اور اس کے متعلق جو خطوط امیر معاویہ کے پاس سے جنابِ امیرؑ کے پاس آئے اور جو جوابات آپ نے دیئے۔ ان میں سے کچھ اقتباسات ذیل میں دیئے جاتے ہیں۔

یہ حضرت علیؑ کا خط معاویہ کے نام ہے۔

## مکتوب (۱)

تم نے میرے اور عثمان کے معاملہ کا ذکر کیا ہے تو لازم ہے کہ اس شبہ کا جواب تمہیں دیا جائے تم اس کے قرابتدار بن کر اس کا خون بہا طلب کرتے ہو جواب یہ ہے کہ پہلے تو یہ دیکھو کہ ہم میں سے کون اُن کا سب سے زیادہ دشمن تھا اور کون انھیں قتل کرنے کی راہ دکھا رہا تھا۔

(نہج البلاغہ، باب مراسلات)

حضرت عائشہ نے خود کہا۔ جیسا کہ تحریر کیا جا چکا ہے کہ "رسول کا

کفن کہنہ نہیں ہوا کہ عثمان نے ان کی شریعت کو کہنہ کر دیا۔ اے لوگو! اس نعثل کو قتل کر ڈالو۔

اس کے علاوہ معاویہ نے خود کہا کہ "عثمان جب تک شریعت پر عمل کرتے رہے ان کا کام درست رہا اور جب سے خلاف کرنا شروع کیا تو خدا اپنی نعمتیں واپس لے رہا ہے۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود ان کے حامی ان کے مخالف بن گئے تھے۔ حضرت علیؑ کو ناحق اس جھگڑے میں آلودہ کرنا جنگ کرنے کا ایک بہانہ تھا۔ دراصل ان کی ملکی بدنظمی اور اقربا پروری ان کے قتل کا سبب تھی۔

اصحاب رسول اور بزرگان دین پر بیجا سختیاں، بیت المال کا بیجا مال صرف کرنا، معقول اور تجربہ کار حکام پر اپنے نوجوان قرابت داروں کو ترجیح دینا۔ شکایتیں آنے پر عمال کو بجائے سزا دینے یا معزول کرنے کے خود قاعدیا شکایتی وفد کو مارنا، جلاوطن کرنا، دھمکانا، عوام میں اشتعال پیدا کرنے کا باعث ہوا اور قتل کی انتظام ملک میں خرابی اور حکام کے ساتھ نامناسب مراعات و جنبہ داری تھی۔

## مکتوب (۲)

معاویہ کے نام حضرت کا ایک اور مکتوب ہے۔ اس میں تحریر فرمایا ہے۔

"تم عثمان کے قاتلوں کے بارے میں حد سے زیادہ محبت کر رہے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم نے عثمان کی وہاں ہی مدد کی جہاں تمہیں ان کی مدد سے فائدہ پہنچا۔ اور اس مقام پر ان کی مدد سے ہاتھ اٹھا لیا۔ جہاں انہیں تمہاری مدد سے فائدہ پہنچ سکتا تھا۔ اُن کے زمانہ خلافت میں جب تمہاری دنیوی اُمیدیں اُن سے وابستہ تھیں۔ اُن کے مددگار بنے رہے اور جب وہ محصور ہوئے اور تمہیں ان کی مدد سے کسی قسم کی امداد اور فائدہ پہنچنے کی توقع نہ رہی تو دست بردار ہو گئے۔

یہ اس وقت کی طرف اشارہ ہے جب حضرت عثمان محاصرہ میں تھے اور معاویہ اور دیگر حکام کے پاس خطوط بھیجے۔ نصرت کے لئے بلایا تو ٹال مٹول کرتے رہے۔

## مکتوب (۳)

ایک دوسرے خط میں تحریر فرمایا ہے:-

"تم مجھ سے ایسی چیز یعنی خونِ عثمان کے طالب ہوئے ہو جس کا میرے ہاتھ اور میری زبان نے ارتکاب نہیں کیا۔"
یہ تو حضرت علی ع سے جنگ کرنے کا صرف ایک سیاسی بہانہ تھا

## مکتوب (۴)

ایک اور خط میں فرمایا کہ :-

"ان لوگوں نے مجھ پر بہتان باندھا ہے۔ طرح طرح کے طوفان اُٹھائے ہیں۔ قتلِ عثمان میں خواہ مخواہ میرا دامن ملوّث کئے دیتے ہیں اور میرے اور اپنے درمیان بالکل انصاف نہیں کیا۔ یہ لوگ مجھ سے اس حق کو طلب کرتے ہیں جسے انھوں نے خود ترک کیا ہے۔ یہ مجھ سے اُس خون کے قصاص کے طالب ہیں جسے انھوں نے خود بہا دیا۔"

## مکتوب (۵)

ایک اور خط میں فرمایا کہ :-

"اگر میں ان کے قتل کا حکم دیتا تو البتہ میں قاتل تھا۔ اگر اس فعل سے منع کرتا تو عثمان کا ناصر و مددگار تھا میں بالکل علیحدہ ہوں

مجھے اس سے ذرہ بھی علاقہ نہیں۔"

جب حضرت کو یہ خبر پہنچی کہ بنی اُمیّہ آپ کو بھی خونِ عثمان میں شریک قرار دیتے ہیں اس وقت فرمایا کہ :۔

## مکتوب (۶)

"کیا میری خصلتوں کے علم نے انہیں اس تہمت سے منع نہیں کیا، کیا یہ معاملہ میرے حالاتِ سابقہ کو جانتے ہوئے مجھے متہم کرنے سے باز نہیں رہے۔ وہ نہیں جانتے کہ میں کیسا شجاع ہوں، میں نے رسولؐ کے زمانہ میں کس دلیری اور ثابت قدمی سے جہاد کیا، پھر کس طرح میں پوشیدہ طور پر کسی کے قتل میں شریک ہو سکتا ہوں، جو بزدلوں کی نشانی ہے۔"

ایک اور مکتوب میں فرمایا ہے:۔

## مکتوب (۷)

"قسم خدا کی یہ طلحہ ہرگز اپنی تلوار کو برہنہ کر کے طلبِ خونِ عثمان میں عجلت نہ کرتے مگر یہ خوف لگا ہوا تھا کہ کہیں مجھ ہی سے اُن کے خون کا مطالبہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ وہ اس سے بچ

نہیں سکتے۔ اور نہ اس گروہ میں ان سے زیادہ کوئی اس خون پر حریص تھا۔"

مندرجہ بالا خطوط ان الزامات کی رد ہیں جو حضرت علیؑ کے خلیفہ ہوتے ہی ان پر حضرت عائشہ اور حاکمِ شام معاویہ کی طرف سے خونِ عثمان کے متعلق لگائے گئے تھے۔ ان خطوط میں حقائق بے نقاب کئے گئے۔ لیکن یہ لوگ نہیں مانے اور جس کی بدولت حضرت عائشہ سے "جنگِ جمل" اور معاویہ سے "جنگِ صفین" لڑی گئی۔

## جنگِ جمل

یہ جنگ سنہ ۳۶ھ میں جمادی الآخر میں ہوئی اور حضرت عائشہ نے حضرت علیؑ کے خلاف لڑی۔

آپ حضرت ابوبکر کی بیٹی تھیں اور حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد آپ جنابِ رسولؐ خدا کے عقد میں آئیں۔ جنابِ رسولِ خدا کے خاندان سے آپ سے اتحادِ عمل نہ ہو سکا۔ جناب سیدہ فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا سے آپ سے صفائی نہ تھی۔

## جنگِ جمل کا پس منظر

حضرت علیؑ ایک اصولی انسان تھے۔ جن لوگوں سے پہلے سے

اختلافات تھے۔ ان کا حضرت علی ؑ کی خلافت سے رضامند نہ ہونا حیرت انگیز نہیں۔ بعض وہ لوگ بھی حضرت سے خفا ہو گئے جو حضرت سے غیر آئینی توقعات رکھتے تھے۔ حضرت عائشہ کو آگے آگے رکھا گیا اور دوسری مخالف طاقتیں ان کی پشت پر کام کرتی رہیں۔

اس وقت عثمان بن حنیف امیر بصرہ تھے۔ ان کو نہایت ذلّت کے ساتھ شہر بدر کرا دیا گیا اور اب شہر پر طلحہ کا پورے طور سے قبضہ ہو گیا بیت المال میں جس قدر مال تھا لوٹ لیا گیا اور جو لوگ حفاظت وغیرہ کے لئے مقرر تھے اُٹھا دئیے گئے اور نئے سرے سے طلحہ و زبیر نے حضرت عائشہ کی نیابت میں کام کرنا شروع کر دیا۔ جامع مسجد میں روز خطبے ہونے لگے لیکن ہفتہ دو ہفتہ میں یہ تمام انتظامات ایک کھیل کی طرح بگڑ گئے۔ جناب امیر المومنین کے آتے ہی جنگِ جمل کا آغاز ہو گیا جس کے ختم ہونے پر نہ طلحہ کا نشان باقی رہا نہ زبیر کا۔ ام المومنین (حضرت عائشہ) میدان میں تنہا رہ گئیں اور حضرت علی ؑ کی طرف سے بحفاظت مدینہ پہنچوا دی گئیں۔

ابتدا میں تو حضرتِ امیر المومنین کو فوج کشی کا اندیشہ ہی نہیں تھا وہ طلحہ و زبیر کے متعلق صرف اتنا ضرور سمجھتے تھے کہ یہ لوگ مدتوں کے بگاڑ کے بعد بنی اُمیہ سے سازش پیدا کریں گے اور حضرت عائشہ

پر تو فوج کشی کا سان وگمان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ لعد میں اگرچہ امیرالمومنین کو فوج کشی کی اطلاع مل گئی تھی۔ پھر بھی آپ طلحہ و زبیر کی اصلاح ہی کرنا چاہتے تھے۔ مدینہ میں آپ نے جو خطبہ دیا۔ اس نے اہلِ مدینہ کے دلوں پر بہت اثر کیا اور علامہ طبری کے قول کے مطابق سات سو آدمی مرد مدینے کو رکاب میں حاضر ہوئے۔ امیرالمومنین نے دو تین دن مدینہ میں قیام کیا۔ اور پھر بصرہ کی طرف مع لشکر کے مراجعت کی اور مدینہ سے مکہ پہنچ کر اور وہاں کے انتظامات سے جلد فراغت حاصل کرکے ایک مہینہ کے عرصہ میں بصرہ کے قریب پہنچ گئے۔ اب بصرہ کے پُرآشوب حالات روز امیرالمومنین کی خدمت میں پہنچنے لگے۔

آپ نے ایک خط حضرت عائشہ کو لکھا اور اس میں بہت سے پند و نصائح تحریر فرمائے اور ان کو جنگ میں شریک ہونے سے باز رکھنا چاہا مگر اس سے اثر نہیں لیا گیا۔ طلحہ و زبیر نے کہلا بھیجا کہ اے ابوالحسن آپ اپنے لشکر کے ساتھ صرف اس واسطے آئے ہیں کہ سب لوگ آپ کی ہیبت سے ڈر جائیں گے۔ آپ کو جو منظور ہو کیجئے۔ ہم لوگ آپ کی اطاعت نہیں کریں گے۔

بصرہ کچھ دور تو تھا نہیں۔ امیرالمومنین نے یہ خبر پاکر ترتیبِ لشکر کی

طرف توجہ فرمائی - اور دوسرے دن بصرہ کے دروازے پر امیر المومنین کے ورود کا نقارہ بج گیا - آپ نے پوری کوشش کی کہ طلحہ اور زبیر کی اصلاح کریں - امیر المومنین نے ان کی پوری تشفی کرادی خلافت، بعیت، قتل اور قصاص، یہ سارے مسئلہ تو حل ہو چکے اور ہر ایک کے متعلق آپ نے ایک پاکیزہ تجویز فرمادی جو قرین مصلحت وانصاف تھی لیکن پھر بھی امارت اور ثروت کی خواہشوں نے انہیں بے قابو کر دیا تھا اور امیر المومنین کا نامہ بر خالی ہاتھ واپس ہو گیا اور حضرت کو مصالحت سے مایوسی ہوئی۔

ابھی تک اہل بصرہ طلحہ کے زیر اثر تھے - امیر المومنین کا لشکر بصرہ سے جیسے جیسے قریب آتا گیا - ویسے ویسے اہل بصرہ کے خیالات ان کی طرف سے بدلتے گئے - جب لشکر بصرہ سے بالکل قریب آ گیا تو تمام شہر میں ہلچل پڑ گئی - یہ حالت دیکھ کر طلحہ و زبیر ممبر پر گئے اور خطبہ میں امیر المومنین کی شکایتیں کیں - خون عثمان کے قصاص پر آمادہ کرنے والے مضامین دہرائے - یہ سب کچھ ہوتا رہا - مگر اس وقت تک کوئی کارروائی امیر المومنین کی طرف سے نہیں ہوئی - حالانکہ آپ بصرہ سے زیادہ دور نہیں تھے - آپ نے ایک خط عمران ابن حصین کے ہاتھ طلحہ و زبیر کو بھیجا جس میں اظہار حقیقت کے ساتھ امن و صلح کی

دعوت تھی اور فتنہ و فساد سے بچنے کی ہدایت تھی۔
حضرت نے لکھا:۔
"معلوم ہو کہ حقیقۃً گو تم اب چھپاتے ہو مگر تم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں نے لوگوں سے اپنی بیعت کے لینے کا ارادہ نہیں کیا جب تک کہ خود لوگوں کی طرف سے یہ ارادہ ظاہر نہیں ہوا میں نے ان سے بیعت نہیں لی جب تک کہ خود انہوں نے بیعت کرنے کا اظہار نہیں کیا اور تم دونوں بھی وہی شخص ہو جنھوں نے خود میری بیعت کا ارادہ کیا۔ مجھ سے بیعت کی۔ عوام نے جبراً یا مال کی حرص میں میری بیعت نہیں کی، تم دونوں بیعت شکنی سے باز آجاؤ۔ بہت جلد خدا کے سامنے توبہ کرو، ورنہ اب تم سے بحث کرنے اور ملامت کرنے کا راستہ نہایت وسیع ہو گیا ہے۔"
قتلِ عثمان کا قصاص لینا یہ حضرت علیؑ سے جنگ کرنے کا ایک حیلہ تھا۔ اس کا جواب بھی آپ نے اسی خط میں دیا ہے۔ تحریر کیا ہے "تم لوگوں کو یہ بھی گمان ہے کہ میں نے قتلِ عثمان کا حکم دیا۔ اب میرے اور تمہارے درمیان اہلِ مدینہ سے وہ لوگ حاکم رہے جو میری اور تمہاری نصرت سے دست بردار ہیں اور

ان کے فیصلے اور حکم کے موافق وہ گناہ عائد کر دیا جائے جس کا وہ متحمل ہوا ہے۔ اپنی رائے سے پلٹ جاؤ۔ گو اس وقت یہ گراں گزرتا ہے۔ لیکن تمہیں قبول کر لینا چاہیئے۔ اس سے قبل کہ عار اور نار دونوں جمع ہو جائیں۔"

یہ اس لئے تحریر فرمایا ہے کہ گو اس وقت مقابلہ میں آکر ہٹ جانا اور اطاعت کر لینا ضرور بارِ خاطر تھا۔ لیکن نصیحت فرمائی ہے کہ بہتری اس کے قبول کرنے میں ہے۔ اس لئے کہ راہِ حق یہی ہے۔ اس خط کے ذریعہ تحریری طور پر مصالحت کرنے کا ارادہ تھا لیکن یہ بھی کچھ سودمند ثابت نہ ہوا۔

طلحہ، زبیر اور حضرت عائشہ بصرہ کو روانہ ہوئے اور علی مرتضیٰؑ نے امام حسنؑ اور عمار یاسر کو کوفہ بھیجا۔ عمار یاسر اور خاص طور پر امام حسنؑ کی تقریر کا بہت اثر ہوا۔ اور نو ہزار کوفہ والے نصرتِ امیرالمومنین پر آمادہ ہوئے۔ کوفہ اور بصرہ والے جب امیرالمومنینؑ کی خدمت میں روانہ ہوئے تو امیرالمومنینؑ نے شہر بصرہ کا قصد فرمایا۔

اس موقع پر کتبِ تاریخ میں حضرت امیرالمومنینؑ کی جو مناجات درج ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ جنگ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ بلکہ وہ جنگ کے لئے مجبور کئے گئے۔ فرماتے ہیں۔

"الٰہی اس قوم نے مجھ سے بغاوت کی اور میری اطاعت چھوڑ دی۔ الٰہی مسلمانوں کا خون بچا اور ایک ایسے آدمی کو بھیج جو خون گرانے سے اللہ کا خوف دکھلائے۔"

## جنگِ جمل کا منظر

۳۶ھ جمادی الثانی کے مہینے میں دن کے وقت اس کی ابتدا ہوئی۔ امیرالمومنین نے غنیم کے لشکر کو آمادۂ پیکار پا کر اپنی جمعیت کو بھی درست کیا اور صف سے آگے نکل کر احکامِ جنگ سنائے۔ یہ ایسے احکام تھے جن سے اسلام کی سچی ہمدردی اور حقوق کی رعایت وحفاظت کا پورا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً

(۱) اگر کوئی مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگے تو تعاقب نہ کرو۔

(۲) جب کوئی زیادہ زخمی ہو جائے تو اُسے قتل نہ کرو۔

(۳) جب تم کسی پر غالب آجاؤ تو اُس کے گھر کو غارت نہ کرو وغیرہ وغیرہ۔

جب حضرت علیؑ اپنی فوج کو نصیحت فرما چکے تو حضرت عائشہ کی فوج کو خطاب کیا۔ لیکن وہ سوا جنگ کے کچھ نہیں چاہتے تھے۔

زبیر کو ایک شخص نے وادئ اسباع میں قتل کر دیا اور طلحہ کو مروان نے اس صلہ میں قتل کیا کہ خلیفہ عثمان کو قتل کرنے میں ان کا ہاتھ تھا۔ جب دونوں سپہ سالار مارے گئے فوج منتشر ہوگئی۔ لڑائی کی صورت بگڑ گئی۔ ساری فوج حضرت عائشہ کے اونٹ کے اردگرد جمع ہوگئی اور اپنی ڈھالوں کا سایہ کئے رہی۔ وہ ایک جگہ جمع ہوگئے اور فریق مخالف کے لئے یہ بہت ہی اچھا ثابت ہوا اور نہایت آسانی سے حملے شروع ہوگئے۔

امیرالمومنین نے سب سے پہلے اپنے صاحبزادے محمد بن حنفیہ کو بھیجا۔ انھوں نے تمام صفیں توڑ دیں۔ محمد بن حنفیہ کو چھوڑ کر جناب امیرالمومنین اس جمعیت کی طرف متوجہ ہوئے جو اونٹ کو گھیرے ہوئے تھی۔ امیرالمومنین کے حملہ کی تاب نہ لاکر تمام لشکر پھٹ گیا۔ اور رسالے منتشر ہوگئے۔ لڑائی کا میدان قیامت کا میدان بن گیا سب لشکر ہٹ گیا لیکن شتربان ابھی باقی رہے۔ اس وقت حضرت امیرالمومنین ؑ نے حضرت عائشہ کی سواری کو وہاں سے ہٹا دینا زیادہ مناسب سمجھا۔ حضرت علی ؑ نے اونٹ پر حملہ کیا۔ اونٹ زخمی ہوگیا۔ اور سواری نیچے آگئی۔ محمل کا نیچے آنا تھا کہ سب ہجوم غائب ہوگیا حضرت علی ؑ نے محمد بن ابی بکر کو جو حضرت عائشہ کے بھائی تھے روانہ کیا

کہ حال دریافت کریں۔ اس کے بعد حضرت علی ع نے زنانہ فوج کو مردانہ لباس پہنا کر ان کے ساتھ روانہ کیا۔ تاکہ بحفاظت مدینہ پہنچ جائیں۔

## جنگِ جمل کے بعد

میدانِ جنگ سے فراغت پا کر امیر المومنین شہر بصرہ میں داخل ہوئے اور مسجدِ جامع میں قیام فرما کر ایک طولانی خطبہ دیا اور اہل بصرہ کو تنبیہ فرمائی کہ انہوں نے ایک غلط قیادت کی پیروی میں امن و سلامتی کو نقصان پہنچایا۔ دونوں طرف کے مقتولین کے کپڑے جمع کیے اور کہا کہ اپنے اپنے وارثوں کے لباس پہچان لو اور لے لو۔

اس جنگ میں ہمیں ایک اخلاقی پہلو بھی نظر آتا ہے کہ جنگ کے بعد جب پیاس نے غلبہ کیا تو حضرت نے پانی مانگا۔ شہد کا شربت دیا گیا۔ ایک گھونٹ پی کر واپس کر دیا کہ ہماری قوم پیاسی کھڑی ہے مخالفین کی لاشوں کو ملاحظہ فرمایا اور ان کی غفلت اور کوتاہ اندیشی پر افسوس کیا۔

شہر بصرہ پر امیر المومنین کا مکمل قبضہ ہو گیا۔ احکام جاری ہونے

شروع ہوئے۔ تمام قیدیوں کو معاف کر دیا گیا۔ شجاعت کے ساتھ
رحمدلی بھی آپ کے اصول میں ایک نادر اصول تھا۔

انتظامات سے فارغ ہو کر اب ملکی امور کی طرف توجہ فرمائی۔
اس فوج کشی سے ہر صوبہ سرکشی پر آمادہ ہو گیا تھا۔ امیرالمومنین نے
فتح بصرہ کے بعد تھوڑے دنوں یہاں قیام کیا اور حضرت عبداللہ
بن عباس کو بصرہ کی ولایت دے کر کوفہ روانہ ہو گئے۔

# جنگِ صفین

یہ جنگ ماہ ذی الحجہ ۳۶ھ میں ہوئی۔ اُسے جنگِ صفین کہتے
ہیں۔ اس میں کھل کر امیر معاویہ سامنے تھے۔ جب معاویہ کی شکست
قریب ہوئی تو قرآن نیزوں پر بلند کر دیئے کہ کتاب اللہ سے فیصلہ
ہوگا۔ اِدھر اِن کے جاسوس فوج علیؑ میں شریک تھے۔ انھوں نے
پیش قدمی سے انکار کر دیا۔ جنگ تمام ہو گئی۔

اس موقع پر معاویہ بن ابی سفیان کا کچھ حال بتانا ضروری ہے
معاویہ سفیان کے بیٹے تھے۔ اُن کی ماں کا نام ہندہ تھا۔
حضرت ابوبکر کے عہدِ خلافت میں فتح شام کے بعد پہلے وہاں کی گورنری
ان کے بھائی نے کی۔ پھر خود مقرر ہوئے اور ۲۰ سال تک جمے

حضرت عمر اور حضرت عثمان نے تو معاویہ کو اس مرتبہ پر رکھا۔ لیکن حضرت علیؑ کے دورِ خلافت میں انھوں نے دمشق سے بھی آگے قدم بڑھائے خلافت کا دعوےٰ کیا اور جنگیں لڑیں۔ حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد امام حسنؑ نے حکومت سے بالکل ہاتھ اٹھا لیا تو معاویہ کو شہنشاہ ہونے کا موقع ملا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ معاویہ ۲۰ سال تک شام کے گورنر اور ۲۰ سال تک شہنشاہ رہے۔ لیکن امیر معاویہ نے ساری زندگی احساسِ اسلامی کو فنا کر دینے میں گذاری، مسلمانوں کو اخوت، مساوات اور برابری کا جو درس دیا گیا تھا وہ دورِ معاویہ میں قطعاً بھلا دیا گیا برباد کن جذبات ابھارے گئے۔

معاویہ نے اموی سلطنت کے درخت کو بے شمار مسلمانوں کا خون پلا کر پرورش کیا۔ جنگِ صفین میں بے شمار مسلمانوں کا خون بہا جن کی ذمہ داری معاویہ پر ہے۔ کیونکہ انھوں نے محض اپنی سلطنت کی خاطر خونِ عثمان کا بہانہ لے کر حضرت علیؑ سے جنگ کرنے کی ایک تدبیر نکالی تھی۔ یہ لڑنے اور اپنی سلطنت قائم کرنے کا ایک بہانہ تھا۔ "نہج البلاغہ" میں حضرت علیؑ کے جو خط معاویہ کے نام میں ان میں اس الزام کی تردید کر دی گئی ہے جو حضرت علی پر قتلِ عثمان کے سلسلہ میں لگایا جا رہا تھا۔ انھوں نے صاف طریقہ سے تحریر کیا

ہا ہے کہ "خود سوچو کہ عثمان کو قتل کرنے کی راہ کون دکھا رہا تھا"

حقیقت یہ ہے کہ خون عثمان کا مطالبہ حضرت علیؑ سے بالکل ناواجب تھا۔ امام حسن ع نے تو پوری سلطنت معاویہ کی نذر کر دی تھی اور پھر بھی اس نے زہر دلوا کر امام حسنؑ کو شہید کروا دیا۔ امام حسنؑ ابن رسولؐ تھے۔ اور پھر آپ نے جنگ بھی نہیں کی تھی۔ نہ مخالفت میں کوئی قدم اٹھایا تھا جس کی پاداش میں انہیں زہر دلوایا گیا۔ انھوں نے خود ہی معاویہ کو سلطنت دے دی۔ پھر اُن کا قتل کس خطا کا عوض تھا؟ جو ایک بے گناہ مومن رسولؐ زادہ کا خون کیا۔ قرآن نے تو ایک ہی خون کو بہت جانا ہے اور اس کی شدید سزا ہے۔ معاویہ کا دامن تو بہت سے بے گناہوں کے خون سے آلودہ ہے۔ امیر معاویہ کے عہد میں اسلام کی شکل بدل گئی۔ نماز جس میں فقیر و گدا ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے ہیں۔ اس کے ادا کرنے کے لئے مسجد میں الگ ایک حجرہ بنایا گیا تھا جو بادشاہ کے لئے وقف تھا۔ وہ سادگی جو حضرت علی ع کے یہاں پائی جاتی تھی وہ اب ناپید تھی۔ حضرت ابوہریرہ نماز حضرت علی ع کے ساتھ پڑھتے تھے اور کھانا معاویہ کے ساتھ کھاتے تھے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ نماز نہایت خلوص سے پڑھنے کا لطف حضرت علی ع کے ساتھ تھا اور کھانے کا مزہ معاویہ کے دسترخوان پر

تھا جس پر بے شمار نعمتیں ہوا کرتی تھیں۔

معاویہ نے ظاہری دھوکہ دہی اور روپے کی بھرمار سے لوگوں کو اپنانا چاہا۔ لیکن یہ پالیسی دیرپا ثابت نہ ہوا۔ اور اس ظلم وتشدد کا سبب تھا جو اُن کا جانشین یزید ساڑھے تین سال سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا اور بنی اُمیہ کی حکومت اور نسل کا دُنیا سے خاتمہ ہو گیا اور حکومت بنی عباس نے اس کی جگہ لے لی۔ ابو العباس سفاح جو خاندان بنی عباس کا پہلا بادشاہ تھا اس نے معاویہ اور یزید کی قبریں تک کھدوا ڈالیں اور ہڈیوں کو جلا ڈالا۔

## جنگِ صفین کا پس منظر

امیر المومنین حضرت علیؑ ابن ابی طالب نے جو اصول جنگِ جمل سے قبل استعمال کئے تھے۔ وہی اصول جنگِ صفین کے آغاز میں بھی قائم رکھے۔ جس طرح جنگِ جمل کے باغیوں کو نصیحت فرمائی۔ جنگِ جمل سے پہلے طلحہ و زبیر کے نام جس طرح امیر المومنین نے خطے لکھے تھے اور ان کو اہلِ اسلام کی خونریزی اور ملک میں فتنہ و فساد سے باز رکھا تھا اور ان خطوط کے بعد معزز اہلِ اسلام کو اپنی طرف سے کمیشن کے طور پر بھی صلح کی غرض سے روانہ کیا، اسی طرح اس موقع پر بھی امیر المومنین

نے پہلے خط و کتابت کے ذریعہ سے انھیں باز رکھنے کی کوشش کی سب سے پہلا شخص جو اس غرض سے شام کی طرف روانہ ہوا وہ عبداللہ بن جریر البجلی تھا۔ اُن کی معرفت جو خط بھیجا گیا۔ وہ یہ تھا جس میں سے چند سطور مثال کے طور پر دی جاتی ہیں۔

"تم کو یہ امر خود ہی معلوم ہے۔ کسی تشریح و تفصیل کی ضرورت نہیں اور جو معاملات اہلِ بصرہ کے درمیان پیش آئے اور جو کچھ جنگ و جدال واقع ہوئی، وہ سب تم نے سنی ہوگی تم پر کوئی امر پوشیدہ نہ رہا ہوگا۔ خداوند تعالےٰ نے مجھے ان پر ظفریاب فرمایا۔"

"تم معاملۂ عثمان میں مبالغہ کو دخل دے رہے ہو۔ صلاح یہ ہے کہ تم پہلے میری بیعت کرد اور عام مسلمانوں کے ساتھ ہو جاؤ بعد اس کے وارثانِ عثمان کو میرے روبرو لاکر قاتلانِ عثمان پر دعویٰ دائر کراؤ تاکہ مطابق کتابِ خدا کے ان کے معاملہ کا تصفیہ کر دیا جائے۔ اگر تم عقل کی نگاہ سے غور کروگے تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ خونِ عثمان کے معاملہ میں مجھ سے بڑھ کر کوئی بے تعلق نہیں ہے۔"

عبداللہ یہ ہدایت نامہ لے کر شام میں معاویہ کے پاس پہنچے لیکن

حضرت علیؑ کی نصیحت کی کچھ پروا نہیں کی گئی اور برخلاف اس کے اہلِ شام کو جامع مسجد میں جمع کر کے کہا کہ تمہیں معلوم ہے۔ کہ میں امیرالمومنین عثمان بن عفان کی طرف سے تم پر فرمانروا ہوا ہوں تم میں سے کسی کی حق تلفی کا روادار نہیں ہوا۔ عثمان مظلوم شہید ہوئے میں ان کے خون کا وارث ہوں۔ یہ سن کر تمام حاضرین آمادہ ہوئے اور طلبِ خونِ عثمان پر بیعت کی۔ اور معاویہ کا قاصد سادہ کاغذ لے کر امیرالمومنین کی خدمت میں آیا۔ عبداللہ کے واپس آنے پر حضرت نے یہ دوسرا خط معاویہ کو لکھا جس میں تحریر تھا کہ

"تم نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ میں نے عثمان کو قتل کیا ہے اور یہی وجہ تمہیں میری بیعت کرنے سے مانع ہے۔ تو پوشیدہ نہ رہے کہ میں اس معاملے میں بالکل مہاجرین کے ہمراہ تھا جو کچھ انھوں نے کہا میں اس میں شریک تھا جس سے وہ باز رہے۔ میں بھی اُس سے تارک رہا۔ نہ میں نے اُن کو قتل کیا کہ آج اُن کا قصاص مجھ سے لیا جائے۔ اور نہ میں نے اُن کو قتل کرنے کا حکم دوسروں کو دیا کہ آج مجرم قرار دیا جاؤں۔ عثمان کے قصاص سے تم کو واسطہ کیا ہے اس لئے کہ فرزندانِ عثمان تم سے زیادہ اولیٰ ہیں۔"

امیر المومنینؑ کے دلائل کا معاویہ کے پاس کوئی جواب نہ تھا لیکن خطوط کے جواب دینے میں عاجزی نہیں دکھاتے تھے۔ جواب میں لکھا:۔

"ہم اور بنی عبد مناف ایک چاہ میں پانی پیتے تھے اور ایک ماں کا دودھ ہمارے قلوب خیانت سے پاک تھے۔ حتیٰ کہ اے علیؑ! تم نے اپنے ابن عم (عثمانؓ) پر حسد کیا اور لوگوں کو خلاف کیا اور ذرا بھی اس کی اعانت نہ کی جس طرح اس کے عیوب کا اظہار کیا، اسی طرح نصرت کا بھی اشتہار دیا ہوتا۔ تو اس وقت معذرت کی گنجائش تھی۔ آپ اس کے برعکس گھر بیٹھے رہے وہ قتل ہوئے۔ ———— آپ مسرور ہوئے اور منصبِ امامت پر اپنی کمر باندھی۔ حضرت عائشہ کو ذلیل کیا رسولؐ زندہ ہوتے تو ان حرکات پر راضی ہوتے یا ناراض؟"

امیر المومنین نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا۔

"ہم خوشی سے اسلام لائے اور تم میں کوئی مسلم ایسا نہیں جو کراہت سے ایمان نہ لایا ہو، رشتہ اور قرابت داروں کا جو تم نے حال لکھا ہے تو تم ہماری مثال نہیں ہو سکتے۔ کیوں کہ رسولؐ ہم میں ہیں اور ابو سفیان کاذب تمہارے میں۔ حسنین ہم میں ہیں اور عقبہ بن ابی معیط تم میں۔ جناب سیدہ ہم میں اور زوجہ

ابولہب تم میں سے ہے۔ تم نے خونِ عثمان کا جو ذکر کیا ہے تو میں کئی بار سمجھا چکا ہوں۔ اوّل تم کو خونِ عثمان سے کیا علاقہ، ان کی اولاد موجود ہے اور تمہارے جیسے بہت سے وارث موجود ہیں۔ اگر تم کو یہ دعویٰ ہے کہ میں ان کے ورثاء میں سب سے خوشحال ہوں تو جس کام کو مہاجر و انصار کر چکے ہیں اور جس عہد پر سب یک زبان ہو چکے ہیں تم بھی اس عہد میں داخل ہو جاؤ اور ان کے ساتھ موافقت کرو۔ تب قاتلانِ عثمان کی نسبت صدائے استغاثہ بلند کرنا۔"

حضرتِ عائشہ اور ان کے ساتھیوں نے حضرت علیؑ کے خلاف جنگ کی وجہ انتقامِ خونِ عثمان ظاہر کی تھی۔ معاویہ نے بھی اسی عذر کو ذریعۂ جنگ قرار دیا۔ عثمان اور معاویہ دونوں ایک ہی مورث کی اولاد تھے اور دراصل ان کی حکومت و ثروت سب انھیں کی بدولت تھی۔ حضرت عثمان کا قتل کیسے ہی اسباب کا نتیجہ تھی۔ بہ لحاظ قتل عبرتناک اور جذبات انگیز ضرور تھا اور امیر معاویہ اس نتیجہ پر پہنچ گئے تھے کہ علیؑ سے جنگ کرنے کا کامیاب ذریعہ اگر کوئی ہو سکتا ہے تو قصاصِ خونِ عثمان ہے اور معاویہ کی جنگ اسی پر منحصر تھی۔ لیکن حضرت علیؑ سے اس خون کا قصاص لینا صرف جنگ کرنے کا ایک بہانہ تھا اور اسی پر جنگ کی بنیاد رکھی گئی جہاں تک مسئلہ قصاص کا تعلق ہے، دنیا جانتی ہے کہ قتلِ عثمان

حضرت علیؑ کی خلافت سے پہلے کا واقعہ ہے اور پھر حضرت کیوں جوابدہ ہوئے۔ اور پھر اس وقت جب کہ قاتلوں میں بھی اختلاف ہوا اور یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ قصاص طلب کرنے والا وہ شخص تھا جو محصور خلیفہ کی نصرت کے بجائے چشم پوشی کر گیا۔ اور طلب اس سے کیا جا رہا تھا جس نے بر وقت پانی بھیجا اور اپنے بیٹوں کو بھی موقع پر بھیجدیا۔

حضرت علی نے جب دیکھا کہ خط اور پند و نصائح بیکار ہیں تو خطوط کی آمد و رفت کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ حضرت نے خط بند کر دئے۔

## جنگِ صفین کا منظر

صفین دریائے فرات کے کنارے ایک وسیع میدان ہے اس میں یکم صفر ۳۷ھ کو دونوں فوجیں صف آرا ہونے والی تھیں دریائے فرات کی روانی کچھ اس طرح واقع ہوئی تھی کہ ایک گھاٹ کے علاوہ دور تک کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں سے پانی لیا جا سکے لہذا شامی لشکر نے اس گھاٹ پر پہلے قبضہ کر لیا اور حضرت علیؑ کی فوج پر پانی بند کر دیا۔ حضرت علیؑ نے معاویہ سے کہلوایا لیکن

بے سود، آخر جنگ کر کے گھاٹ حاصل کر لیا اور پھر دشمن کو پانی لینے کی کھلی اجازت دی۔

یکم صفر کو دونوں لشکر صف آرا ہوئے۔ خوب جنگ ہوئی حضرت علیؑ کی طرف سے ابوایوب انصاری وغیرہ نے خوب جاں بازی دکھائی۔ عمار یاسر کو سوارانِ لشکر کی سرداری کا عہدہ حاصل تھا وہ میدان میں آئے اور باوجود پیرانہ سالی اور ضعف و نقاہت کے باغیوں پر رعشہ دار ہاتھوں سے حملہ آور ہوئے۔ خوب لڑے آخر میں ابوالغاریہ کے ہاتھ سے زخمی ہوئے اور مارے گئے۔ اس وقت عمرو عاص نے کہا کہ میں اب سے بیس سال قبل مر جاتا کیونکہ میں نے رسولؐ کو یہ کہتے ہوئے سُنا تھا کہ عمارؓ کو فرقۂ باغی قتل کرے گا۔ اب تو لشکرِ شام میں اضطراب پیدا ہو گیا۔ معاویہ نے پھر منطقی فیصلہ کیا کہ عمارؓ کی موت کا سبب ہم نہیں خود حضرت علیؑ ہیں۔ کیونکہ وہ انہیں میدان میں لائے تھے۔ حضرت علیؑ کو اس موت کا بے حد صدمہ ہوا۔ اور خود عازمِ جنگ ہوئے۔ کئی دن اور رات جنگ ہوتی رہی جس وقت معاویہ کی فوج کو آثارِ شکست نظر آنے لگے تو امیر معاویہ نے حضرت علیؑ کو تحریر روانہ کی کہ جنگ و خونریزی ختم کی جائے اور بیعت کے لئے مجبور نہ کریں۔ بلا بیعت امارتِ شام پر

تصرف کا موقع دیں۔ یہ پیش کش رد کر دی گئی۔ جنگ تمام رات جاری رہی۔ معاویہ کی جان کے لالے پڑ گئے۔ اس وقت چاہا کہ چھپ کر رات کی تاریکی میں شاہِ روم کے دربار میں جا چھپیں۔ کبھی چاہا کہ عبداللہ بن عباس کے ذریعہ پناہ چاہیں۔ صبح ہوئی۔ مالکِ اشتر معاویہ کے خیمہ تک جا چکے تھے۔ اس وقت امیر معاویہ نے عمرو عاص سے رائے لی۔ اس نے کہا میں نے ایک تدبیر سوچی ہے۔ وہ یہ کہ ان کو کتابِ خدا کی دعوت دی جائے۔ یکایک پانچسو قرآن نیزوں پر بلند کر دیئے گئے اور کہا کہ ہمارا اور آپ کا فیصلہ قرآن کرے گا اب حضرت کی فوج دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ معاویہ کے جاسوس جو حضرت علی کی فوج میں شامل تھے۔ انھوں نے کہا وہ ہمیں کتابِ خدا کی دعوت دیتے ہیں اور آپ جنگ کی۔ جنگ بند کیجئے ورنہ اے علیؑ آپ کو قتل کر دیں گے۔ حضرت علیؑ نے بہت سمجھایا کہ یہ کرہے دھوکہ ہے۔ مگر وہ نہ مانے جنگ روکنی پڑی۔ صلح کی بات چیت شروع ہو گئی۔

## جنگِ صفین کے بعد

فیصلہ طرفین کے ثالثوں کے حوالے کر دیا گیا۔ ابوموسیٰ اشعری

حضرت علیؑ کی طرف سے ثالث مقرّر ہوئے لیکن یہ تقرّر حضرت کی مرضی کے خلاف ہوا تھا۔ وہ حضرت عبداللہ بن عباس کو چاہتے تھے یا کسی اور ایسے ہی شخص کو۔ انھوں نے ابو موسیٰ اشعری کا تقرر بالکل بیکار سمجھا۔ اس لئے کہ اُن کے اور حضرت علیؑ کے درمیان صفائی بھی نہیں تھی۔ لیکن پھر وہی سازشی گروہ جس کو معاویہ کی طرف سے مالی امداد مل رہی تھی سامنے آیا اور حضرت کو مجبور کیا گیا کہ وہ ابو موسیٰ اشعری کو اپنا ثالث تسلیم کریں۔ اِدھر سے عمرو عاص مقرّر ہوئے۔ ایک دن فیصلہ کے لئے طے کیا گیا، کہ اس دن دونوں ثالث کتاب اللہ اور سنّتِ رسولؐ کے مطابق اپنا اپنا فیصلہ سنائیں گے۔ مجبوراً حضرت علیؑ کو بھی اس تجویز پر راضی ہونا پڑا۔

فیصلہ سنانے سے قبل ابو موسیٰ اور عمرو عاص میں سازش ہوگئی کہ تم پہلے حضرت علیؑ کو معزول کر دینا اور میں معاویہ کو ان کی جگہ پر باقی رکھوں گا۔ اس طرح جب وہ دن آیا تو یہ مشہور کیا گیا کہ ابو موسیٰ اور عمرو عاص دونوں اپنے اپنے آدمیوں کو معزول کر دیں گے اس لئے کہ ان سے اُمتِ محمدیہ کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے اور باہمی کشیدگی سے مسلمان تنگ آگئے ہیں۔

تاریخ مقررہ پر ابو موسیٰ اشعری بالائے ممبر گئے اور اپنی انگشتری اُتار کر کہا کہ میں نے اس طرح حضرت علیؑ کو درجۂ خلافت سے معزول کیا۔ پھر عمرو عاص گئے اور اپنی انگشتری پہن کر کہا کہ میں اس طرح امیر معاویہ کو درجۂ خلافت پر فائز کرتا ہوں۔

حضرت علیؑ نے اس فیصلہ کو نہیں مانا۔ اس جنگ سے مراد حضرت عثمان کے خون کا قصاص لینا نہیں بلکہ خلافت لینا تھا اور اسی کے لئے اس قدر مکر و فریب سے کام لیا گیا۔

حضرت علیؑ نے "جنگِ صفین" کے بعد اکثر شہروں کے معززین کے پاس خطوط بھیجے۔ ان میں سے ایک خط ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

ہماری اس لڑائی کی ابتداء جو اہلِ شام کے ساتھ واقع ہوئی کیا تھی؟ حالانکہ یہ بات ظاہر ہے کہ ہمارا اور ان کا خدا ایک ہے۔ رسول ایک ہے۔ دعوتِ اسلام ایک ہے۔ ہم خدا پر ایمان لائے۔ رسول کی تصدیق کرتے ہیں ابتدا یہ ہوئی کہ خونِ عثمان میں اختلاف ہو گیا۔ حالانکہ ہم اس سے بری تھے اور اسی لئے ان سے کہا کہ آؤ فتنہ کی آگ بجھا کر خلقت کو آرام پہنچائیں کہ آج ہی اس مرض کا علاج

کر لیا جائے جس کا تدارک کل نہ ہو سکے گا۔ تا کہ اسلام کا کام مضبوط ہو جائے۔ اہلِ اسلام جمع ہو جائیں اور ہم حق کے تحفظ کی قوت حاصل کر لیں۔ مگر اہلِ شام نے جواب دیا کہ ہم تو جنگ و جدل کے ساتھ اُس کا علاج کرینگے وہ برابر ہمارے قول سے انکار ہی کرتے رہے۔ حالانکہ قتل و قتال پر اپنے بال و پر کھولے۔ اس کی بھڑکتی ہوئی آگ پوری پوری طرح شعلہ ور ہو گئی اب جبکہ جنگ نے ہمیں اور انہیں اپنے دانتوں میں پکڑا اور پنجے گاڑ دیئے تو انھوں نے اس چیز کے ساتھ ہماری آواز کا جواب دیا جس کی طرف ہم انہیں بلا رہے تھے ترکِ جنگ کے طالب ہوئے جیسے ہم پہلے چاہتے تھے جس طرف انہوں نے ہمیں طلب کیا تھا ہم نے ان کی دعوت کو قبول کیا اور جس شے یعنی جنگ کیطرف انھوں نے ہمیں بلایا تھا ہم نے نہایت سرعت کے ساتھ انہیں اسی طرف روانہ کر دیا حتیٰ کہ ہماری حیثیت ان پر ظاہر ہو گئی۔ اُن کا عذر منقطع ہو گیا۔ خونِ عثمان کے دعوے ختم ہو گئے" — حضرت علیؑ کا یہ مکتوب جنگِ صفین" اسکے قبل اور بعد کے حالات اور اس کے انجام، ان سب کا مکمل نقشہ پیش کرتا ہے۔

# جنگِ نہروان

یہ جنگ ۳۷ھ کے آخر میں ہوئی اور حضرت علیؑ نے خوارج سے لڑی۔

## خوارج

جنگِ صفین کے بعد جب معاملہ تحکیم قرار پایا اور حضرت نے کوفہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ اُس وقت ہی سازشی گروہ جس نے جنگِ صفین میں حضرت علیؑ کو جنگ بند کر دینے پر مجبور کیا تھا فوج سے نکل گیا اور اسی گروہ کو "خارجی" کہتے ہیں یہ لوگ صحرائے کوفہ کی طرف چلے گئے تھے جسے "صحرائے حرور" کہتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ یہ فرقہ "حروریہ" بھی کہلاتا ہے۔ چونکہ یہ حضرت علیؑ کی دشمنی کو آگے رکھتے تھے، لہٰذا ان کو "ناصبی" بھی کہتے ہیں۔

## جنگِ نہروان کا پس منظر

خوارج کا گروہ حضرت علیؑ کے لشکر سے جدا ہو کر "حروراء" پہنچ

گیا تھا۔ اور یہ لوگ وہاں جا کر یہ کہنے لگے کہ سوائے خدا کے اور کسی کے لئے حکم نہیں ہے۔ علیؑ اور معاویہ دونوں کے دونوں مشرک ہو گئے۔ جنھوں نے امارت اور حکومت کی وجہ سے امرِ حکمین قرار دیا۔ جب حضرت علی کو یہ خبر پہنچی تو فرمایا کہ ان کا یہ قول بالکل سچ ہے۔ مگر اس سے امر باطل کا ارادہ کیا گیا ہے اور فرمایا۔ آدمیوں کے لئے سوائے اس کے چارہ نہیں ہے۔ کہ ان پر کوئی امیر اور رئیس مقرر ہو اب خواہ وہ شخص نیک ہو یا بد اگر نیک ہے تو اس کے زمانۂ امارت میں مومن اپنی آخرت کے لئے عمل کرے گا اور اگر بدکار ہے تو اس کے عہد میں کافر فائدہ اٹھائے گا۔ اسی امیر کے سبب سے مال غنیمت وخراج جمع ہوتا ہے۔ اسی سے دشمن کے ساتھ مقابلہ کیا جاتا ہے۔ اسی کی وجہ سے راستے پر امن ہوتے ہیں۔ اور قوی سے ضعیف کا حق لیا جاتا ہے۔ یہ وہ فوائد ہیں جو بغیر امیر اور رئیس کے قائم نہیں رہ سکتے۔ اور نظامِ عالم کے لئے امیر ورئیس کا ہونا ضروری ہے مطلب یہ ہے کہ امیر ورئیس کے بغیر خلقت کو کسی حالت میں چارہ ہی نہیں ہے۔

لیکن خوارج نے کہا۔ کہ آپ نے اس معاملہ (معاملۂ حکمین) میں

خطا کی اور کفر اختیار کیا۔ آپ اپنے کفر کی شہادت دیتے ہوئے توبہ کیجئے۔

اُن کے جواب میں حضرت نے فرمایا کہ :-

تم پر عذابِ الٰہی کی آندھیاں چڑھ آئیں اور اب کوئی تم میں تخل کی اصلاح کر لینے والا باقی نہیں رہا۔ کیا خدا پر ایمان لانے اور رسول ؐ کے ساتھ جہاد کر لینے کے بعد اپنے نفس کے لئے کفر کی شہادت دوں اور اگر میں ایسا ہوں تو بے شک میں گمراہ ہوں اور راہِ ہدایت پانے والوں میں سے نہیں ہوں

امیر المومنینؑ کی ہدایت کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا حضرت تو حکمین کے تصفیہ کے منتظر تھے۔ تھوڑے دنوں بعد دومۃ الجندل کے خود غرض کمیشن نے اپنا فیصلہ سُنا دیا۔ خوارج کو اس فیصلہ سے بہت تقویت پہنچی۔ اب انھوں نے اپنی جماعت اکٹھی کرنی شروع کر دی۔ چار ہزار کی تعداد تو حضرت کے لشکر سے نکلی۔ آٹھ ہزار اور جمع ہو گئے۔ ان میں زیادہ بصرہ اور اطراف کے لوگ تھے۔ سب کوفہ سے نکل کر نہروان کے میدان میں جو واسط اور بغداد کے درمیان واقع ہے جمع ہوئے۔ اُن کی جمعیت اس وقت

بارہ ہزار سے کم نہیں تھی۔ انھوں نے اپنی بغاوت، سرکشی اور آزادی کے تمام امور فراہم کر لیئے۔

حضرت علیؑ نے دومتہ الجندل کے تصفیہ کے بعد ہی فوج کی درستی کی طرف توجہ فرمائی اور لوگوں کو جمع کرنا شروع کر دیا۔ بصرہ مصر اور حجاز سے بیرونی کمک مانگی گئی۔ بصرہ والے سب سے زیادہ فرقۂ خوارج میں شامل ہوئے تھے۔ پھر بھی تین ہزار آدمی فوج میں شامل ہوئے۔

امیرالمومنینؑ کا خیال اب تک خوارج کی طرف ذرا بھی نہیں تھا یہ سامان سب معاویہ سے دوبارہ جنگ کرنے کو کیا جا رہا تھا۔ اس وقت حضرت کی توجہ خوارج کی طرف دلائی گئی۔ امیرالمومنینؑ نے دوسری لڑائیوں میں جس طرح صبر سے کام لیا۔ بالکل اسی طرح جنگ نہروان میں بھی لیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس کو چند آدمیوں کے ہمراہ ہدایت کے لئے بھیجا۔ لیکن وہ کیا سمجھتے۔ حضرت عبداللہ ناکام واپس ہوئے۔ اس وقت خوارج کے فتنہ و فساد ترقی پر تھے انھوں نے گرد و نواح میں نہایت بدامنی پھیلا رکھی تھی۔ ایک نام نہاد شریعت قائم کر لی تھی۔ اہل اسلام کو اپنے عقائد کے خلاف پاکر اپنی شریعت جدید کے ماتحت قابلِ قتل سمجھتے تھے اور قتل ڈالتے

تھے۔ صحابی رسولؐ حضرت عبداللہ بن حباب کا واقعہ نہایت پُر درد تھا اور اس سے حضرت امیرالمومنینؑ کو بہت سخت صدمہ ہوا ایسے مظالم کی خبریں سُن سُن کر جب حضرت علیؑ کو یہ معلوم ہوا کہ خوارج کا تشدد بہت زیادہ ہوگیا اور مسلمان قتل کئے جانے لگے تو آپ نے خوارج کو مخاطب کر کے فرمایا کہ "اگر تم میری مخالفت محض اس وجہ سے کر رہے ہو کہ تمہارے فاسد گمانوں میں میں نے خطا کی اور گمراہ ہوگیا تو پھر تمام امتِ رسولؐ کو میری گمراہی کی وجہ سے کیوں گمراہ سمجھتے ہو۔ میری خطا پر ان سے کیوں مواخذہ طلب کرتے ہو۔ میرے گناہ کے سبب سے کس لئے انہیں کافر شمار کر رہے ہو۔ تم محض گناہ کے وہم پر انہیں کافر سمجھتے ہو اور ان کا خون جائز سمجھتے ہو۔ تم کافر ہوگئے۔ تمہارے ساتھ جہاد واجب ہے۔

حضرت علیؑ نے خوارج کو ایک ساعت کے لئے بھی اپنی موجودہ حالت میں چھوڑ دینا مناسب نہیں سمجھا۔ دوسرے ہی دن ۲۵ ہزار فوج کے ہمراہ "نہروان" کا قصد کیا۔ نہروان کوفہ سے زیادہ دور تو تھا نہیں۔ جلد ہی امیرالمومنین کا لشکر چھاؤنی کے قریب پہنچ گیا۔ جب حضرت علیؑ خوارج سے جنگ کرنے کے لئے چلے تو راستہ میں یہ خبر ملی کہ خوارج کا لشکر نہروان کے پُل کو عبور کر چکا ہے

اس وقت حضرت علیؑ نے فرمایا۔

"ان کی قتل گاہ نہر فرات کے قریب ہے ان کی فوج کے دس آدمی بھی نہیں بچیں گے اور ہمارے دس آدمی بھی قتل نہیں ہوں گے۔"

اور یہ حقیقت بن کر سامنے آئی کہ خوارج کے لشکر میں سے صرف نو آدمی بچے اور حضرت کی فوج کے صرف نو آدمی مارے گئے حضرت علیؑ کا لشکر جس وقت نہروان آگیا۔ اس وقت پھر بھی آپ نے خوارج کو راہ راست پر ہی لانا چاہا ادرحالانکہ ایک مرتبہ اس سے قبل جیسا کہ تحریر کیا جا چکا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کو ہدایت کے واسطے بھیجا جا چکا تھا اور آپ ناکام واپس آئے تھے۔ لیکن پھر یہاں سے حضرت علیؑ نے خوارج کو نصیحت کرنے اور ان کے اعتراضات معلوم کرنے اور راہِ حق پر لگانے کے لئے دوبارہ حضرت عبداللہ بن عباس کو بھیجا۔ اُس وقت خوارج نے کہا۔ کہ آپ کی نصیحت ہرگز ہمارے لئے اثر نہیں رکھتی۔ ہمارے پاس چھ دلیلیں ان کے خلاف اتنی قوی ہیں کہ امیرالمومنین سے ان کا جواب نہیں چل سکتا۔ وہ دلیلیں یہ ہیں

(۱) حضرت علیؑ اور امیر معاویہ کے درمیان جب عہدنامہ تحریر

تو انہوں نے امیر المومنین نہیں لکھا۔ بلکہ اُسے محو کر دیا۔ جب انہوں نے خود اپنے آپ کو ہمارا امیر نہیں ٹھہرایا۔ تو ہم اُن سے راضی نہیں کہ وہ ہمارے امیر ہیں۔

(۲) انھوں نے خود اپنی امامت میں شک کیا اور حکمین سے کہا کہ جانبین کے معاملات میں غور کرو۔ اگر معاویہ کو اس کام کے لئے اچھا سمجھو تو اسی کو امیر بناؤ ورنہ مجھے۔ جب اُن کو اپنے معاملہ میں شک ہو گیا تو ہمارے لئے یہ شک زیادہ موزوں ہے۔

(۳) امیر المومنینؑ نے حکومت غیر کو دے کر رسولؐ کے خلاف اور ان کی وصیت کے خلاف کیا۔ حالانکہ وہی اس کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔

(۴) انھوں نے دینِ خدا میں ثالثی کو منظور کیا اور آدمیوں کا حکم کرنا جائز نہیں تھا۔

(۵) جنگ جمل کے خاتمہ پر تمام غنائم تو ہم پر امیر المومنین نے تقسیم کر دئے مگر عورتوں اور بچوں کو نہیں دیا۔ کیوں؟

(۶) انھوں نے وصیٔ رسول ہوتے ہوئے وصیت کو ضائع کیا۔

حضرت علیؑ اس وقت خود تشریف لے گئے۔ خوارج کو جمع کیا اور اُن دلیلوں کے جوابات یوں دیئے فرمایا:-

(۱) رسول اللہ نے ابوسفیان اور سہیل ابن عمر سے بمقام حدیبیہ صلح فرمائی۔ تو اس کا کاتب میں ہی تھا۔ مشرکین مکہ کے اختلاف پر حضرت نے اپنے نام سے "رسولِ خدا" محو کر دیا اور مجھ سے کہا کہ محمد بن عبداللہ لکھدو۔ جب میرے، معاویہ اور عمرو عاص کے درمیان صلح ہوئی تو انھوں نے کہا کہ ہم باوجود اس اقرار کے کہ آپ امیرالمومنین ہیں پھر آپ سے جنگ کریں تو ظالم اور گناہگار ٹھہریں گے۔ صرف یہ لکھو۔ "یہ وہ شرائط ہیں جن پر علی بن ابی طالب راضی ہوئے ہیں۔" یہ حال دیکھ کر میں نے بھی اپنے نام سے "امیرالمومنین" کا لفظ محو کر دیا۔ اگر مجھ پر معترض ہو تو جناب رسولؐ خدا پر بھی ہو۔

(۲) میں نے اپنے معاملے میں دوسروں کو حکم کیا۔ یہ حکم میرا کسی شک کی بناء پر نہیں تھا۔ جیسا تم سمجھ رہے ہو۔ بلکہ تمہارے اطمینان کے لیے اُسے منظور کیا گیا۔ خوارج نے کہا یہ حجت بھی قوی ہے۔

(۳) میں ضرور سب سے زیادہ حکم ہونے کی لیاقت رکھتا تھا لیکن رسولؐ نے معاملات بنی قریظہ میں اپنی طرف سے سعد ابن معاذ کو حکم مقرر فرمایا تھا۔ حالانکہ خود سب سے زیادہ اس کے اہل تھے۔ خوارج نے کہا یہ حجت بھی قوی ہے۔

(۴) اللہ نے شوہر اور بیوی کے درمیان اختلاف پیدا ہو جانے کے موقع پر حکم مقرر کئے جانے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ ایک حکم مرد کی طرف سے ہو اور ایک عورت کی طرف سے ہو۔ خوارج نے کہا کہ یہ حجت بھی قوی ہے۔

(۵) جنگ جمل کے بعد غنیمت تو ہم نے تم پر تقسیم کر دی مگر عورات اور اطفال نہیں دیئے تو میں نے حقیقت میں ان لوگوں پر احسان کیا۔ جیسا کہ رسولؐ نے فتح مکہ کے بعد مشرکین قریش پر کیا۔ اس کے علاوہ مردوں نے ہم سے بغاوت کی تھی۔ ہم ان کو قتل کر چکے تھے بچوں اور عورتوں نے کیا کیا تھا۔ جو ہم ان کو قید کرتے اور غلام بناتے اور کون تم میں ایسا تھا جو ام المومنین عائشہ کو اپنے حصہ میں لیتا اس پر بھی خوارج قائل ہو گئے۔

(۶) میں نے رسولؐ کی وصیت ضائع نہیں کی۔ تم خود مجھ سے پھر گئے اور اب خلافت بھی چھین رہے ہو۔ لوگوں کو اپنی طرف بلانا یہ انبیاء کا کام ہے۔ ہم اوصیاء ہیں۔ ہم کو خود اپنی طرف دعوت دینے کی ضرورت نہیں۔ یہ علم نبوت سے متعلق باتیں ہیں۔ خانہ کعبہ حج کے لئے ہے اگر حج نہ کیا جائے تو تم لوگ گناہگار ہو گے۔ خانہ کعبہ کا فر نہ ہوگا۔ رسولؐ نے فرمایا۔ اے علیؑ تمہاری مثال کعبہ کی ہے تمہارے

پاس لوگوں کو آنا چاہیے۔ تم کو ضرورت نہیں کہ تم کسی کے پاس جاؤ

## جنگ نہروان کا منظر

اس فرقہ نے ان تمام جوابات کو سنا۔ ایک دم آٹھ ہزار کی جماعت ان سے علیحدہ ہو گئی اور توبہ استغفار کی صدائیں بلند ہونی شروع ہو گئیں۔ اس وقت حضرت نے ابو ایوب انصاری کو علم دے کر کہا کہ جو اس علم کے نیچے آجائے اُسے امان دو۔ اُس وقت آٹھ ہزار خوارج علم کے نیچے آگئے۔ صرف چار ہزار رہ گئے۔ جن پر کچھ اثر نہ ہوا حضرت نے دیکھا کہ یہ اپنے ناپاک ارادوں سے باز نہیں آئیں گے تو پھر بھی عامر بن صعصہ کو قرآن دے کر بھیجا کہ حق کی دعوت دیں ان بدبختوں نے صعصہ کو تیروں سے شہید کر دیا۔

اب حضرت علی عہ نے ان کا خون جائز سمجھا اور حملہ کر دیا نہایت خونریز حملے ہوئے اور چار ہزار جمعیت میں سوائے نو آدمیوں کے کوئی دسواں نہ بچ سکا

## جنگ نہروان کے بعد

جنگ نہروان کے بعد حضرت نے پھر شام پر چڑھائی کرنے کا ارادہ

کیا۔ مگر سوائے چند آدمیوں کے سب نے تھکن اور ہتھیاروں کی خرابی کا عذر کیا۔ اس لئے حضرت نے فی الحال جنگ کو ملتوی کر دیا۔

# حضرت علیؑ کا نظریۂ امن و جنگ

حضرت نہایت صلح کل اور امن پسند تھے۔ اگر آپ بہادری اور شجاعت میں اپنا ندِ مقابل نہیں رکھتے تو حمایتِ امن میں بھی اپنا نظیر نہیں رکھتے حتی الامکان جنگ اور خونریزی کو روکتے اور جب تک اِدھر سے پہل نہ ہوتی۔ حملہ کا حکم نہ دیتے۔ پوری قوّت سے جنگ روکنے کی کوشش کرتے۔ اور جب صورتِ حال امن کی موافقت میں نظر نہ آتی تو پھر نہایت دلیرانہ حملہ کرتے جس کی تاب لانا ناممکن ہوجاتا۔

## نظریۂ امن

امن کے متعلق آپ کا کیا نظریہ تھا جنگ جمل و صفّین کے اس واقعہ سے معلوم ہوسکتا ہے۔

امیرالمومنین کے تمام ہمراہی اسی طرح حکم کے منتظر میدانِ جنگ میں خاموش کھڑے رہے۔ اس طرف سے ام المومنین کے لشکر نے ان پر حملہ کرنا شروع کیا۔ اب ان کے ہتھیار ہیں اور وہ اُن پر تیر بارانی

کر رہے ہیں۔ اُن کو جواب دینے کا حکم نہیں۔ یہاں تک کہ عبداللہ ابن بدیل اپنے مقتول بھائی کی لاش امیرالمومنین کی خدمت میں لائے۔ ابھی اس لاش کا معائنہ ہو رہی رہا تھا کہ ایک اور لاش پیش کی گئی اس اجل نصیب کو اس کے دشمنوں نے اس قدر چھانا تھا کہ اس کی لاش پر سوائے تیروں کے سوراخوں کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اُس وقت بھی تحمل اور صبر سے کام لیا۔ اور اللہ سے فرمایا کہ ان لوگوں نے مجھ سے بے دفائی کی تو گواہ رہ اور اس کے بعد حریف کے مقابلہ کا حکم فرمایا۔

جنگِ صفین میں اس کی مثال یوں ملتی ہے کہ حضرت علیؑ نے جو اصول جنگِ جمل سے پہلے اختیار کئے تھے۔ وہی اصول معرکہ صفین کے آغاز میں بھی قائم رکھے جس طرح جنگِ جمل کے باغیوں کو نصیحت فرمائی اُسی طرح اہلِ شام کو بھی فرمائی۔ جنگِ جمل سے پہلے طلحہ و زبیر کے نام حضرت نے خطوط بھیجے۔ اسی طرح جنگِ صفین سے قبل امیر معاویہ کے نام خطوط بھیجے اور امن کی تلقین فرمائی۔ معززاہلِ اسلام کو بطور کمیشن صلح کے لیئے روانہ کیا۔ لیکن جب وقت معاویہ نے یہ کہدیا کہ ہمارا اور آپ کا فیصلہ تلوار سے ہوگا تو ان حالات کے تحت حضرت نے بھی فوجی طاقت سے کام لیا اور امن و امان قائم رکھنے

کے لئے اپنے لشکر کو دوسرے پُل کی راہ سے اُتارنا چاہا اور خود بھی ادھر سے ہی تشریف لائے مالکِ اشتر کو اسلامی فوج کا امیر مقرر کیا اور ضروری احکام اس طرح تبلائے گئے۔ جس طرح اس سے پیشتر افسروں کو بتلائے گئے تھے۔ اُمورِ جنگ میں زیادہ تر یہ تاکید کر دی گی کہ:۔

(۱) غنیم سے جنگ میں ابتداء نہ کرنا۔ تاوقتیکہ ان کی طرف سے پیش قدمی نہ ہو۔

(۲) اپنے امکان تک لڑائی کو ملتوی رکھو۔

(۳) ہرگز ان کی مخالفت اور علاوت کو دیکھ کر اپنے مزاج میں غیظ و غضب کو راہ نہ دو۔

(۴) جہاں تک ممکن ہو سکے صبر و تحمل سے کام لو۔

(۵) جنگ سے بھاگنے والے کا تعاقب نہ کرو۔

(۶) جب کوئی زیادہ زخمی ہو جائے تو اُسے قتل نہ کرو۔

(۷) کسی مقتول کو برہنہ نہ کرو۔

(۸) عورتوں اور بچوں کو ایذا نہ پہنچاؤ۔ چاہے وہ تمہارے سرداروں کو گالی دیں۔

(۹) اُن کے گھروں میں نہ گھسو، اُن کے مال کو ہاتھ نہ لگاؤ۔

یہ تمام اصول صلح و امن کی دلیل ہیں "جنگ نہروان" میں اس کی

مثال یوں ملتی ہے کہ سب سے پہلے آپ نے نصیحت فرمائی۔ اس کے بعد ابوایوب انصاری کو علم دے کر کہا کہ جو اس کے نیچے آجائے اسے امان دو۔ اس کے بعد عامر بن صعصعہ کو قرآن دے کر بھیجا کہ اس کی طرف رجوع کریں۔ مگر دشمن نے صعصعہ کو ہلاک کر دیا اس وقت حضرت نے اُن کا خون جائز سمجھا۔

جنگِ صفین کی ایک اور مثال ہے کہ جب آپ کی فوج پر بندش آب کر دی گئی۔ اس وقت گھاٹ فتح کرنا ضروری سمجھا اور جب گھاٹ حاصل کر لیا تو دشمن کو کھلی اجازت دی کہ سیراب ہو۔

سنجیدگی و بزرگی نفس اور اعلےٰ معیار حضرت علی ع کی زندگی کا ایک روشن پہلو تھا۔ آپ کے اصحاب میں سے ایک گروہ اہل شام کو دشنام دیتا تھا۔ آپ نے جو یہ خبر سُنی تو فرمایا کہ تم جو اُن کو دشنام دیتے ہو تو اس کے بجائے یہ کہو۔ پروردگار ہمارے اور ان کے خون کو بہنے سے بچا ہمارے اور اُنکے درمیان صلح کرادے انہیں گمراہی سے حق کیطرف لا تاکہ اُسے پہچان لیں حضرت علیؑ کا یہ اصول تھا کہ جنگ کو ٹالنے کی آخر دم تک کوشش کرتے لیکن جب لڑی جاتی تو پوری قوت سے اس کا مقابلہ کرتے اپنے فرزند محمد بن حنفیہ کو حضرت نے جو فوجی پیام دیا ہے اس سے آپ کی قوتِ عزم کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ فرمایا۔ بیٹا پہاڑ اپنی جگہ

ہے ٹل جائیں۔ سر بفلک چوٹیاں سرک جائیں مگر تم اپنے مقام سے نہ ہٹنا۔ تمام وہ فکریں جو کاسۂ سر میں گشت کیا کرتی ہیں انہیں امرِ جہاد کی تدبیر میں صرف کر دیا اپنے سر کو جہادِ راہِ خدا میں دیدو کہ اس کے بدلے خدا دنیا و آخرت کی زندگی عطا فرمائے گا۔

## حضرت علی کی سیاست

(داخلی تنظیم) حضرت علیؑ جنابِ سرورِ کائنات حضرت رسولؐ خدا کے بعد تاریخِ عالم میں سب سے بڑے سیاست دان تھے لیکن آپ کی سیاست شرع و اخلاق و آئین کی پابند تھی۔ حضرت علیؑ کا ان لوگوں سے مقابلہ کرنا جو اخلاقی قوانین کی پابندی سے آزاد تھے ایک بے جوڑ مقابلہ ہے۔ ان لوگوں کا مقابلہ حضرت علیؑ سے کرنا جو نہ مروت کے قائل تھے نہ ہمدردی کے۔ جہاں رشوت سے کام چلا رشوت دی جہاں ظلم سے کام چلا ظلم کیا اور اپنا مقصد حاصل کر لیا۔ کسی طرح درست نہیں۔ ان کا مقابلہ دنیا کے دوسرے فاتحین سے ہو سکتا ہے جو آئینِ اخلاق کے پابند نہ تھے۔

حضرت علیؑ مجسم ایمان تھے۔ وہ ایسی سیاست کہاں اختیار کر سکتے تھے۔ انھیں ہر قدم پر حکم خدا و رسولؐ کا لحاظ تھا شریعت

کی پابندی کا خیال ضروری تھا۔ حضرت علیؑ کی سیاست دینی پابندیوں
کے ساتھ دیکھو اور غور کرو تو ایسی بے نظیر سیاست کی مثال نہ ملے
گی۔ داخلی تنظیم میں حضرت علیؑ کے سامنے حسب ذیل مسائل تھے۔

رعایا کا تحفظ

شورشوں کا دفیعہ

ملکی منافع کا لحاظ

رعیّت کی خوشحالی

آبپاشی کے ذرائع میں توسیع

ملکی انتظامات

زراعت کی توسیع وغیرہ

آپ نے ان اُمور کو استقلال و جرأت سے، اس خوبی سے انجام
دیا اور ایسے ماحول میں جس سے زیادہ امکان نہ تھا
حضرت علیؑ کی شورشوں اور بغاوتوں سے بھری ہوئی خلافت
کا قیاس پہلی خلافتوں پر کر کے کہنا کہ ان لوگوں نے جیسے فتوحات
کیئے اور ممالک اسلام میں وسعت دی یہ نہ دے سکے۔ غلطی ہی نہیں
بلکہ زیادتی ہے۔
جو لوگ آئینِ حکومت سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ

کسی بادشاہ کو بیرونی حملوں کا تصفیہ اتنا دشوار نہیں ہوتا جس قدر اندرونی مخالفتوں اور خانہ جنگیوں کا۔ بہت بڑے بڑے سیاست داں اندرونی شورشوں کے سامنے ہتھیار ڈال چکے ہیں یہ صرف حضرت علی ع کی ذہانت و عقل تھی جس کی بدولت حضرت نے باہمی معرکوں کو سر کیا۔ عظیم الشان فتنوں کو دبا کر امن و امان قائم کر دیا اور عدل و انصاف، اصولِ مساوات کے بھی سختی کے ساتھ پابند رہے۔ یہی وہ محاسن ہیں جو خلافتِ مرتضوی کو نمایاں کرتے ہیں۔

یہ حضرت علی ع کا کمال تھا کہ ایک طرف دشمنوں کا مقابلہ کرتے تھے اور دوسری طرف نظامِ ملکی اور فلاحِ رعیت پر بھی نظر رہتی تھی۔ ابتدائی خلافتوں میں بہت سے واقعات ملیں گے جن میں رعایا کی شکایت پر توجہ نہیں ہوئی اور جنگ کی مصروفیات کا بہانہ کر دیا گیا۔ مگر حضرت علی ع کے عہد میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملے گا کہ رعایا نے کسی حاکم یا امیر کی شکایت کی ہو یا اہلِ لشکر کی بے اعتدالیوں کی طرف توجہ دلائی ہو اور آپ نے اُن کی تکلیف دور نہ کی ہو۔

خلافتِ مرتضوی کے ان محاسن کے متعلق ہمیں کوئی خصوصیت کا دعویٰ نہیں ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ تمام اُمور وہی ہیں اور

ایسے ہی ہیں جو عموماً تمام فرمانروایانِ ملک کے فرائض ہوا کرتے ہیں فرق ہے تو صرف اس قدر کہ ایک فرمانروا نے ان کو اطمینان سے اور کافی وقت میں انجام دیا اور امیر المومنین ؑ نے عدیم الفرصتی اور پریشانی میں انجام دیا۔ اس واسطے آپ کے محاسنِ خدمات زیادہ وقعت کے قابل ہیں۔

آپ کی خلافت یا اس کے نظامِ حکومت میں جو نوعیت اور خصوصیت ہے وہ ابھی تک عام نگاہوں سے کسی قدر پوشیدہ ہے اور امورِ ملکی کے ساتھ کوئی مخصوص تعلق نہ رکھنے کی وجہ سے اس پر تاریخ دیکھنے والوں اور واقعات پڑھنے والوں کی نگاہیں کم پڑتی ہیں۔ آپ کے نظامِ حکومت کی یہ نوعیت دوسری ملکی ضروریات سے بالکل علیحدہ ہے اور اس کا تعلق آپ ہی کی ذات کے ساتھ ثابت ہوتا ہے۔ اس کو انجام دینے کا فرض کسی افسر کو نہیں سونپا گیا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ مخصوص ملکی خدمت کیا ہے؟ وہ خلافتِ علیؑ کے نظامِ حکومت میں صیغہ ارشاد و ہدایت اور توسیعِ علومِ متفرقہ ہے۔ یہی وہ صیغہ ہے جس کی طرف اسلام کے سابقین خلفاء نے ملکی کاروبار اور فتوحاتی ضروریات کی وجہ سے اس وقت تک بہت کم توجہ کی،

امیر المومنین ع نے اہل اسلام کو دینیات کے متعلق کافی ہدایات پہنچا کر جو تمام اسلامی حکمرانوں کا سب سے پہلا اور ضروری فرض ہے یہ ثابت کر دیا کہ آپ کی حکومت خالص اسلامی اصولوں پر مبنی تھی۔ حضرت علی ع کی چار سالہ خلافت کے قلیل عرصہ میں آپ نے اہل اسلام کو خاص طور پر اور عموماً تمام اہل عرب کو ہی علومِ متفرقہ کی تعلیم کرنے میں جیسی عرق ریزیوں سے کام لیا۔ ان کی مثالیں ہمیں کسی دوسرے ملکی حکمران کے تذکرہ میں نہیں ملتیں۔ علوی خلافت کے زمانے میں علومِ شرعیہ کے علاوہ علومِ عقلیہ کی تعلیم بھی دی گئی۔ ہیئت۔ نجوم، فلسفۂ الٰہی، ریاضی نحو، منطق وغیرہ تمام علوم کی تعلیم اور توسیع میں آپ نے کوشش فرمائی۔

اب اس بحث سے قطع نظر کر کے خلافتِ مرتضوی کے ان نظامی حالات کو بیان کرنا ہے جو باوجود قلت اور دقتِ زمانہ کے سابق خلافتوں کی طرح سیاست کے اعلےٰ پیمانہ پر نہایت بیدار مغزی سے عمل میں لائے گئے۔ جس کو دیکھ کر یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ خلافت گذشتہ خلافتوں کی نسبت تعلیم، شریعت اور دیگر احکامِ ہدایت وغیرہ نیز جو اسلامی خلافت کا خاص حسنِ خدمت

اور اسلامی خلیفہ کا پہلا فرض ہونا چاہیئے۔ ان میں اپنی سابق خلافتوں سے کہیں آگے تھی۔

## علوی خلافت کا نظامِ ملکی

جنابِ امیرالمومنین نے تختِ حکومت سنبھالتے ہی پہلے جس امر کی طرف توجہ فرمائی۔ وہ اس وقت کی موجودہ بدامنی اور پُرآشوبی کی اصلاح تھی جس کی مدافعت کے دو طریقے تجویز کئے گئے۔

(۱) اول تو موجودہ اضطرار اور انتشار کی حالتوں میں رعایا کی پوری محافظت اور خبرگیری، ان کے حقوق کی رعایت اور ان کی کافی دلجوئی اور تسکین تھی۔

(۲) دوسرا طریقہ اسی مدافعت کا، ان بڑے بڑے سرکش مخالفوں کا مقابلہ تھا جو عام طور سے ملک میں فساد قائم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

دوسرے اختیار کردہ طریقہ کا ذکر تو اس سے قبل کیا جا چکا ہے اب پہلے طریقۂ کار پر غور کرنا ہے

امیرالمومنین نے ملکی رعایا کو اپنی خلافت کے زمانہ میں دو

بڑے حصّوں میں تقسیم فرمایا تھا۔

(۱) پہلا حصّہ رعایا کا وہ تھا جو سلطنت کا ملازم تھا اور اس میں فوج، کاتب، قاضی اور عمال شامل ہیں۔

(۲) دوسرا حصّہ رعایا کا وہ تھا جو سلطنت کا ملازم نہیں تھا اور ان میں اہل اسلام، اہل جزیہ، اہلِ صنعت، تجار، فقراء اور محتاجین شامل تھے۔

امیرالمومنین نے ان میں سے ہر فرقہ کی ماہیت، ان کے حقوق اور ان کے ساتھ سلوک کرنے کے طریقے نہایت وضاحت سے علیحدہ علیحدہ خود بیان فرمائے ہیں اور ان کے ساتھ ہمیشہ دلجوئی سے پیش آنے کے لئے کہا ہے۔ عمالِ خلافت کو سخت تاکید اور ہدایت فرمائی۔ تقسیمِ رعایا کے لئے جو فرمان جاری ہوا۔ اس کا مضمون ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"ملکی رعایا مختلف قسم کی ہوتی ہے۔ ایک کی اصلاح حال دوسرے کی اصلاح سے متعلق ہے اور ایک کو دوسرے کی احتیاج ہے انھیں میں

فوج

دفتر کے عمال

قاضی

عمّال :- جو سلطنت کی طرف سے حاکم ہوتے ہیں۔

اہلِ جزیہ :- جو رقم جزیہ دیکر اسلامی حفاظت میں آتے ہیں۔ (ذمی)

تجار :- تجارت پیشہ۔

اہلِ صنعت :- ملک کے دست کار۔

فقرا و محتاج :- جو دوسروں کی مدد پر زندگی گذارتے ہیں۔

یہ سب ملکی رعایا میں داخل ہیں۔ ان تمام طبقوں کو خدا نے اپنی کتاب میں یاد فرمایا ہے۔ اور سنتِ رسول ؐ نے ان لوگوں کا ایک حصہ حدا حدا معین فرمایا ہے اور اُن کی اعانت ان سے قوی اور اعلےٰ طبقہ والوں پر واجب و لازم ٹھیرائی ہے"۔

اس عبارت سے رعایا کے اقسام معلوم ہو گئے۔ ہمارا خیال ہے کہ خلافتِ مرتضوی ؑ کے بعد سے اس وقت تک جس کو قریب ڈیڑھ ہزار برس ہوتے ہیں۔ ان اقسام کے علاوہ دوسری قسم کی رعایا نہیں دیکھی گئی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ؑ کی تقسیم کس قدر کامل تھی۔

اب ان اقسام رعایا کے حقوق کی تصریح میں جو ارشاد ہوئے وہ ذیل میں قلمبند کیا جاتا ہے۔

## لشکر کے حقوق

لشکر رعایا کے قلعے ہیں کہ وہ اُن کی حفاظت میں رہتی ہے۔ یہ والیانِ ملک کی زیب و زینت ہیں۔ دین کی عزت ہیں۔ ملت کے پاسبان ہیں۔ امن و امان کے ذمہ دار ہیں۔ رعایا بغیر فوج کے نہیں رہ سکتی۔ نیز فرمایا کہ فوج کے ساتھ تم ایسا سلوک کرو جس طرح اپنے بچوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ ان کو ہمیشہ خوش رکھو۔ ایسی باتیں کرو کہ ان کی قوت اور ہمت میں اضافہ ہوتا رہے۔

## اہل دفتر کے حقوق

دفتر کے لوگوں کے احوال پر ہمیشہ نظر رکھنی چاہیئے جو ان میں صفت ہو اُسے اختیار کرو۔

## قاضی اور اسکی تعریف

قاضی کے متعلق فرمایا ہے کہ سلطنت اسلامی کے تمام انتظامی افسروں میں جیسا اس منصب اور صیغہ کا حاکم جواب دہ ہے اور ذمہ دار ہے اتنا کسی دوسرے صیغہ اور محکمہ کا نہیں۔

# قاضی کی خدمات اور اسکے اوصاف

قضا کا عہدہ رعایا میں سے اس شخص کے سپرد کرو جو اُن میں سب سے افضل ہو اور معاملات کی یورش سے نہ گھبراتا ہو۔ ان لوگوں کی کثرت سے پریشان نہ ہوتا ہو۔ فضول ضد نہ کرے۔ جب اصلیت ظاہر ہو جائے تو اُس کے تسلیم کرنے میں توقف نہ کرتا ہو۔ طمع کا اس کے نفس میں گزر نہ ہو۔ جب تک معاملہ کی تہ تک نہ پہنچے اپنی کم فہمی پر اعتبار نہ کرے۔ شبہ کے اوقات میں معمول سے زیادہ غور و فکر کرے۔ ترش رو نہ ہو۔ ہر امر کا سُراغ لگانے میں نہایت استقلال سے کام لے۔ بے غرض فیصلہ کرے، کس قدر بھی بڑا سفارش والا ہو۔ اُس کے سامنے حق کو فراموش نہ کرے۔ لیکن ایسے لوگ جن میں یہ تمام صفات موجود ہوں بہت کم ہاتھ آتے ہیں لہذا اُس مقام کے گورنر یا عامل کا فرض ہے کہ اُن معاملات کی جو دارالقضا میں پیش ہوں۔ پوری دیکھ بھال کرے بیت المال سے قاضی کو اتنا روپیہ ملے کہ اُس کو رشوت کی ضرورت نہ ہو دربارِ حکومت میں اُسے صدر کی جگہ دی جائے۔ تاکہ ارکین سلطنت میں اس کا احترام ہو۔ لوگ اُسے بُرا نہ کہیں اُس کے اُمور درہم برہم

نہ ہوں قبل اس کے کہ ذلیل اور سبک ہو۔ اندیشوں سے محفوظ ہو جائے

## عُمّالِ ملکی

محکمۂ قضا کے بعد اس طبقہ کے جلیل القدر اور عظیم الشان عہدہ داروں کا ذکر یوں کیا ہے۔ کہ جو باعتبار اپنے اعلےٰ مناصب کے خلافت کی طرف سے ممالکِ بیرونی میں نیابت کے فرائض ادا کرتے تھے۔ اُن کی ذمہ داریاں، فرائض اور خدمات، اور اخلاق کے متعلق جیسی جیسی ہدایتیں فرمائی گئیں وہ ذیل میں تحریر کی جاتی ہیں۔

## عامل یا والی کی حیثیت

تمہاری امارت (موجودہ منصب) تمہاری ملکیت نہیں بلکہ مسلمانوں کی امانت ہے جو تمہاری گردنوں میں بندھی ہے اور تم بھی اپنے بادشاہ کے مقابلہ میں ایک رعیت سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے ہرگز اس کے مجاز نہیں ہو سکتے کہ بغیر اجازتِ سلطانی کے رعایا کے اُمور میں کوئی تصرف کرو۔

---

## نوکری میں قرابت کا لحاظ نہ رکھو

تمہارے ہاتھ میں خدا کا مال ہے۔ اور تم میری طرف سے اس کے خزانہ دار ہو۔ جب تک کہ اُسے میرے سپرد نہ کر دو۔ اس ذمہ داری سے بری نہیں ہو سکتے۔ یقیناً میں ان احکام کے نافذ کرنے میں تمہارے نزدیک بُرا امیر نہ ٹھہروں گا۔

## قرابت ملک کو نقصان پہنچاتی ہے

بیرونی ممالک اور علاقوں میں عمال ایسے مقرر کئے جائیں جن کا پورا حال پہلے سے معلوم ہو۔ جو لوگ والیانِ ملک سے قربت کا تعلق رکھتے ہیں ان میں سرکشی کا مادہ ہوتا ہے۔ ان کی طبیعت بے انصافی کی طرف مائل ہوتی ہے۔ لہذا اپنے عزیزوں میں سے کسی کو حکومت کا اختیار نہیں دینا چاہیئے ورنہ وہ غریبوں کو آزار پہنچائینگے

## رعایا کے حقوق کی ادائیگی

جس کا حق ثابت ہو جائے اُس کے دلانے میں ذرا سا بھی توقف نہیں کرنا چاہیئے۔ اپنے اور دوسرے سب کو ایک نظر سے

دیکھو۔ رضائے خدا کی طلب کرنے کی خواہشوں پر مستعد رہو۔ چاہے عوام خوش ہوں یا نہ ہوں۔ عاقبت اور انجام پر نظر رکھو۔

## دشمن سے صلح کرنے کے متعلّق فرمان

جب دشمن تم سے صلح کرنے کی خود درخواست کرے تو اگر وہ صلح تمہارے لئے مفید ہے تو اس کی استدعا کو واپس نہ دو اس طرح تمہارے لشکر کو آرام ملے گا۔ صلح تو کر لو لیکن دشمن سے غافل نہ رہو۔ اکثر دشمن موقع پا کر فوراً معاہدہ کو توڑ دیتے ہیں۔

## معاہدوں پر قائم رہو

وعدہ وفائی سے بڑھ کر انسان میں کوئی دوسری خوبی نہیں ہے۔ لہذا دوسرے ممالک سے کیئے ہوئے معاہدوں پر نہایت مستعدی سے قائم رہو۔ تاوقتیکہ ان کو توڑنے کے علاوہ تمہارے پاس چارہ ہی نہ ہو۔

## ناحق خونریزی سے بچو

حضرت علی عؑ نے فرمایا کہ کوئی چیز عتابِ الٰہی کی اتنی جلد باعث

نہیں ہوتی، جتنی ناحق خونریزی اور کسی گناہ کی اتنی سخت سزا نہیں رکھی گئی۔ جتنی خون کی۔ عمال ناحق خونریزی کے لئے نہ میرے آگے کوئی عذر پیش کر سکتے ہیں اور نہ خدا کے۔ اگر یہ امر تم سے سہواً ہو گیا ہے۔ مثلاً تم نے کسی کو طمانچہ مارا وہ مر گیا تو خون بہا دو۔

## اہلِ جزیہ

یہ غیر مسلم لوگ ہیں جو جزیہ کی رقم ادا کرتے ہیں اور حکومت ہر طرح ان کی جان و مال کی ذمہ دار رہے۔ یہ لوگ اسی وجہ سے ذمی کہلاتے ہیں۔ حکومت پر اُن کی پوری نگہداشت فرض ہے۔

## تجارت پیشہ

اہلِ تجارت کے ساتھ تم اپنا حسن معاملت اور لین دین درست رکھو۔ خاص طور پر اپنے شہریوں اور پردیسیوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں کوئی رو رعایت یا فرق نہ کرو۔

## اہلِ صنعت

ان سے تمہارے ملک کی رعایا کو ان کے اسباب زندگی میں

بہت نفع پہنچتا ہے۔ تمہارے شہر کے علاوہ پہاڑ، جنگل اور د
میں رہنے والوں کے لئے یہی لوگ ضروریاتِ زندگی
چیزیں مہیا کرتے ہیں۔ یہ تمہارے لشکر کے افسر نہیں جو بغاو
کریں گے۔ ایسی حالت میں تم اہلِ صنعتِ وحرفت کا خود خیا
رکھو۔

## لین دین کے طریقے

لین دین یہ ایسی چیزیں ہیں کہ فریقین آپس میں راضی اور خو
ہوں۔ ترازو اور باٹ ہمیشہ پورے اور درست رہنے چاہیئے
اور نرخ بھی ایسا قائم ہو کہ جس سے خریدار اور بیچنے والے
نقصان نہ ہو۔ اور تم گراں کرنے کی نیّت سے غلّہ جمع کرنے
رواج کو توڑ دو۔ اگر اس حکم کے بعد بھی کوئی اس حرکت کا مرتکب
ہو تو سزا دو۔



## محتاج اور فقراء

تجّار اور اہلِ حرفہ حضرات کے بعد رعایا کے طبقات میں آخری
نمبر محتاج اور فقراء کا ہے جن کے لئے ذیل کی ہدایتیں نافذ فرمائیں

"اب ہم رعایا کے سب سے نیچے درجہ والوں کی طرف توجہ
ماتے ہیں۔ جو کوئی ہنر نہیں جانتے اور اپنی گزر کی کوئی سبیل
ہیں نکال سکتے۔ وہ تمہارے ملک کے فقراء مساکین اور اہلِ احتیاج
ں جو اپنی جگہ سے اُٹھ نہیں سکتے۔ اکثر تو طلب بھی نہیں کر سکتے
ں کی خبر گیری لازم ہے۔ اُن کے حقوق کا جیسا کہ جنابِ باری
ے فرمایا ہے۔ ہمیشہ خیال رکھو۔ بیت المال اسلامی میں سے کچھ
ں کی گزر کے لئے معین کر دینا چاہیئے۔ ان کے ساتھ تکبّر سے
ں نہ آؤ۔ بہت ایسے ہیں جو ذلّت و خواری کی وجہ سے مانگ
ہیں سکتے۔ تم ان کی ضرورت کا خود خیال رکھو۔"

اِن احکام کو پڑھ کر ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ خلافت مرتضوی
ے نظامِ ملکی کے جزوی اور کلی تمام ضروریات کی طرف پوری توجہ
ے کام لیا ہے۔ اور ان تمام اُمور کے متعلق ایسی ضروری اور مفید
یتیں فرمائیں جو آپ سے پہلی خلافتوں میں کسی نے بھی نافذ
ہیں کیں۔

# حضرت علیؑ کا نظامِ ملکی

## حضرت علیؑ کے عہد کے عُمّال

خلافتِ مرتضوی میں عام طور سے وہی بزرگوار اس معزز عہدے
مامور فرمائے جاتے تھے جو نہایت خوبیوں والے ہوتے تھے
جناب سید المرسلین صلعم کی صحبت سے فیض یاب ہو چکے تھے
علاوہ ازیں وہ اوصاف بھی ہوتے تھے جو ایک والیٔ ملک کے
ضروری ہیں اور تاوقتیکہ یہ اوصاف اُن میں نہ پائے جائیں
کسی ملک اور علاقے میں مقرر نہیں کئے جاتے تھے۔

ذیل میں چند بزرگوں کے نام اور مقام ماموریت تحریر کیے جا
ہیں:-

یمن ۔ عبداللہ بن عباس
مکہ قثم ابن عباس
مصر محمد بن ابی بکر

حلوان۔ اسود ابن قرطبہ

بصرہ۔ مقعل ابن قیس رباحی

مدینہ۔ سہیل ابن حنیف انصاری

عین التمر۔ مالک ابن کعب

حمص۔ مالک ابن اشتر

مدائن۔ یزید ابن قیس

حضرت علیؑ وقتاً فوقتاً جو احکام نافذ فرماتے تھے ان میں سے
ب کی منصفانہ سیاست کا اچھی طرح پتہ چل سکتا ہے۔ یہ احکام
ہ ہیں کہ آپ اپنی رعایا سے کسی وقت بھی غافل نہیں ہوتے
۔ بلکہ ہر وقت خیال رکھتے تھے۔ کہ کسی پر ظلم وستم نہ ہونے پائے
ج تک وہ احکام مکتب سیاست کے لئے بہترین درس ہیں مثال
طور پر چند ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) اشعث بن قیس حاکم آذربائیجان کو لکھا۔ "حکومت تیرے
کھانے کی چیز نہیں ہیں بلکہ امانت ہے جس کا بار تیری گردن
ہے۔"

(۲) قثم بن عباس حاکم مکہ کو لکھا۔ "حاجیوں کو سہولتیں پہنچاؤ۔
ں خدا کے ثواب و عذاب سے ڈراتے رہو۔ صبح و شام اُن کی ہدایت

کے لئے جلسہ کرو۔ فتوے پوچھنے والوں کو فتوی دو، جاہلوں کو تعلیم اور علماء سے مذاکرہ کرو۔ خود لوگوں کے پاس جاؤ۔ اپنے نفس کو اپنا دربان بناؤ۔ حاجت مند سے ملاقات میں دریغ نہ کرو۔ کیونکہ اگر سائل ابتدا میں نکال دیا گیا تو پانے کے بعد بھی نیکی سے یاد نہ کرے گا۔ خدا کا مال جو پاس ہے۔ اُس سے بھوکوں کی مدد کرو۔ فقراء و مساکین پر تقسیم سے جو بچے میرے پاس بھیجدو۔ مکہ میں رہنے والوں سے کسی قسم کا محصول نہ لو۔ کیونکہ خدا نے مکہ میں سب کو برابر قرار دیا ہے۔"

(۳) عثمان بن حنیف عامل بصرہ، کسی رئیس کی دعوت میں شریک ہو گئے۔ حضرت کو اطلاع ہوئی تو آپ نے لکھا:۔

تمہاری دعوت کی گئی تو تم جلدی سے پہنچ گئے۔ تمہارے سامنے اچھے اچھے کھانے اور عمدہ عمدہ شربت پیش کئے گئے مجھے خیال نہ تھا کہ تم ایسے لوگوں کی دعوت قبول کرو گے جو محتاجوں کو محروم اور دولت مندوں کو طلب کریں گے۔"

(۴) اپنے ایک عمال کے نام حضرت نے یہ فرمان جاری فرمایا۔

"تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمہاری ولایت کے دیہات والے تمہاری سنگدلی کی شکایت کرتے ہیں۔ اُن کی شکایت ہے کہ تم انہیں حقیر سمجھتے ہو یعنی تم اُن پر ظلم و ستم کرتے ہو۔ اُن پر ظلم و ستم نہ کیا جائے

کیوں کہ اُن سے عہد ہو چکا ہے۔ لہٰذا اب تم اُن کے لئے نرم دلی کا لباس پہن لو۔ جس کے ایک ٹکڑے میں سختی کی بھی آمیزش ہو اُن کے درمیان نرمی اور سختی کا درمیانی برتاؤ کرو۔"

(۵) اپنے ایک اور عامل کے نام حضرتؑ نے یہ فرمان جاری فرمایا کہ "مجھے تمہاری طرف سے ایک خبر پہنچی ہے۔ اگر واقعی تم نے وہ کام کیا ہے تو تم نے اپنے پروردگار کو غضب ناک کیا ہے اپنے امام کی نافرمانی کی۔ اپنی امانت میں خیانت کو دخل دیا۔ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تم نے اشجار و زراعت سے زمین کو برہنہ کیا جو کچھ تھا وہ لے لیا۔ اب تم فوراً اپنے جمع خرچ کا حساب میرے سامنے بھیج دو اللہ کا عتاب انسانوں سے بڑھ کر ہے۔

مختصر یہ کہ آپ اپنی رعایا اور عمّال سے کبھی غافل نہیں رہے ان پر اور ان کے ہر کام پر نظر رکھی اور جو بھی حکمِ خدا کے خلاف چلا اسکو شرعی سزائیں دینے میں کبھی تامل نہیں کیا اور کسی ذاتی قرابت یا خصوصیت کے سبب بلا وجہ معاف نہیں کیا۔

# چند اہم صیغے اور ان کی مختصر تشریح

## صیغہ تحصیل خراج

اس صیغے میں دو قسم کے لوگ شامل تھے ایک تو وہ جو عموماً رعایا سے ملکی خراج وصول کرتے تھے۔ دوسرے وہ جو رعایا سے صدقات و زکوٰۃ کی رقوم کی تحصیل کرتے تھے پہلی رقم کی تحصیل تو زیادہ تر نقد چاندی اور سونے کے رائج الوقت سکوں میں ہوتی تھی مگر دوسری تحصیل یعنی صدقات و زکوٰۃ کی رقم کے معاوضہ میں غلہ اور حیوانات سے تبادلہ کیا جاتا تھا۔

لیکن ان معاملات کے ساتھ ہی رعایا کے حقوق پامال نہیں کیئے جاتے تھے۔ ان پر کبھی سختی اور تشدد نہیں کی جاتی تھی ان کے آرام و اطمینان کے لئے بھی وہی تاکیدیں اہلِ خراج کو دی جاتی تھیں جو والیانِ ملک کو۔ اس صیغہ میں تحقیقات کی بہت ضرورت رہتی تھی۔ لہذا دربارِ خلافت سے ایک معتبر شخص مقرر کیا جاتا تھا

وہ تشخیص کا کام بھی کرتا تھا اور تحصیلی افسروں کی بے اعتدالیوں کی بھی کامل تحقیقات کرتا تھا۔ چنانچہ مصعب ابن یزید انصاری کو اکثر ایسی خدمات سپرد ہوتی تھیں۔ ان اُمور کے علاوہ یہ بزرگ مدائن کے علاقہ میں چار مختصر مقامات پر تشخیص کی اتفاقی ضرورت سے بھیجے گئے تھے۔ علاقہ بہقبادات، نہر سیر، نہر جوزا، اور نہر ملک۔ اُن کی بار دیگر تشخیص سے اُن چار علاقوں کی مجموعی آمدنی ایک کروڑ اسی ہزار وصول کی گئی۔

اِن واقعات کو پڑھ کر ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام کے ایام حکومت میں خراج کا صیغہ باوجود اس کے کہ تمام ملک میں فساد اور بدامنی پھیل رہی تھی۔ نابرسانی کی حالت میں نہیں چھوڑ دیا گیا تھا۔ مثال کے طور پر حضرت علی ع کا ایک خط پیش کرتے ہیں۔ فرمایا ہے۔

"خدا سے ڈرنے کا جو راستہ ہے۔ اسی پر سرگرم رفتار ہو۔ وہ خدا جس کا کوئی شریک نہیں۔ کسی "مال مومن" سے جو اللہ کا حق ہے۔ اُس سے زیادہ نہ لے۔ اگر تو کسی قبیلہ میں جائے تو پہلے اُن کی آبگاہ پر اُتر پھر تعظیماً اُن کے سامنے جا اور کہہ کہ تمہارے مال میں کچھ اللہ کا حق

ہے۔ اگر ہے تو اس کے ولی تک پہنچا دو۔ پھر ہمارے پاس لے آ۔ تاکہ ہم کتابِ خدا اور سنتِ رسولؐ کے موافق انہیں تقسیم کر دیں اور بے شک یہ مالِ خدا کا جمع کرنا ہے۔"

صرف اس کہنے پر ہی اکتفا نہیں کی جاتی تھی بلکہ اس پر غور کیا جاتا تھا کہ ان ہدایات پر کہاں تک عمل کیا جارہا ہے نہایت سختی سے حساب لیا جاتا تھا اور آپ کی حکیمانہ جدوجہد سے حتی الامکان تحصیلِ خراج میں اضافہ ہوا۔ خراج وصول کرنے والے عمال کو خاص ہدایت دی گئی تھی کہ خراج وصول کرنے میں عوام کے ساتھ نہایت نرمی کا برتاؤ کریں ہرگز سختی سے کام نہ لیں۔

## زکوٰۃ اور صدقات کی تحصیل کا صیغہ

یہ دونوں قسم کی رقمیں ایک طرح کے سالانہ ٹیکس ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور ان کی ہر قسم کی آمدنی اور جائداد از قسم طلا و نقرہ و شتر۔ گائے، گوسفند اور گھوڑے وغیرہ پر حساب لگا کر برابر وصول کی جاتی تھی۔

صدقات یا زکوٰۃ کی آمدنی فقراء مساکین، عمالانِ صدقہ

مولفۃ القلوب، غلاموں کی آزادی، قرضوں کی ادائیگی اور مجاہدین و مسافرین اور حجاج کی امداد پر صرف ہوتی تھی۔

جو لوگ صدقات کی وصولی پر مامور کئے جاتے تھے۔ ان کو بھی افسرانِ خراج اور والیانِ ملک کی طرح دارالحکومت سے ایک دستور العمل تیار کر کے دیا جاتا تھا جس کو مختصراً درج کیا جاتا ہے

"اب تم تقوی پر ثابت قدم ہو جاؤ۔ خدا کا کسی کو شریک نہ بناؤ کسی مسلمان کو خوف و دہشت میں نہ ڈالو جس وقت وہ تمہارے آنے کو پسند نہ کریں تم اُن کے پاس نہ جاؤ، اُن کے حقوق سے زیادہ نہ لو، ان سے سلام کر کے بات کرو، اُن کے دلوں کو تقاضہ اور غصہ کے ناخونوں سے نہ تم آشو جس چیز کے نہ دینے پر وہ مصر ہوں وہ ہرگز نہ لو، بے اجازت اُن کے گلے میں نہ گھسو، سختی اور نفرت سے اُن کے ساتھ پیش نہ آؤ، بوڑھا اور عیب دار جانور نہ لو، مال ایسے شخص کو دیتے جاؤ جو معتبر ہو۔ ایسے کو نہ دو جو اس مال کو مسلمانوں کے ولی تک نہ پہنچائے۔ پھر ولی اس مال کو شرعی تقیم کے مطابق تقسیم کر دے۔

امیر المومنین ؑ نے صدقات و زکوٰۃ کی رقمیں وصول کرنے میں

رعایا کے ساتھ حد درجہ نرمی کا اظہار کیا۔ آپ ان رقوم کو خراجِ ملکی میں شامل کرنا نہیں چاہتے تھے اور عمال اور افسران کو سخت گیری سے روکتے تھے۔ کیونکہ خلیفہ اول کے دور میں تحصیل زکوٰۃ کی وجہ سے ملک کے شمالی حصہ میں شورش پیدا ہو کر خالد ابن ولید کی بڑی شکایت کا باعث ہو گئی تھی اور مالک بن نویرہ کا قتل واقع ہو گیا تھا۔

## جزیہ کی تحصیل کا صیغہ

یہ رقم غیر مسلموں سے لیجاتی تھی جو مسلمانوں کی حفاظت اور حمایت میں رہتے تھے۔ یہ قومیں ایک سالانہ رقمِ مقررہ ادا کرتی تھیں۔ اُن کی جائداد خواہ کتنی ہی کثیر المحاصل ہو اس سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا تھا۔ جزیہ کی رقم تعدادِ نفوس پر منحصر تھی جزیہ کی شرح فی کس حسب ذیل مقرر تھی۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| (۱) | اُمراء | فی کس | ۴۸ درم |
| (۲) | متوسط الحال | فی کس | ۲۴ درم |
| (۳) | تجّار | فی کس | ۲۴ درم |
| (۴) | عامتہ الناس | فی کس | ۱۲ درم |

وصولی کے وقت فقرا، مساکین، ضعیف اور کم استطاعت والے عموماً ادائیگی سے بری کر دئیے جاتے تھے۔ اور مندرجہ ذیل اشخاص تو ہمیشہ کے لیئے رقم جزیہ کی ادائیگی سے مستثنیٰ سمجھے جاتے تھے۔

(۱) پچاس برس سے زیادہ عمر کا مرد۔

(۲) بیس برس سے کم عمر کا لڑکا۔

(۳) عورتیں۔

(۴) مفلوج الاعضا مرد چاہے کسی عمر کے ہوں۔

(۵) معطل العضو مرد خواہ کسی عمر کے ہوں۔

(۶) نابینا مرد خواہ کسی عمر کے ہوں۔

(۷) مجنون مرد چاہے کسی عمر کے ہوں۔

(۸) مفلس جس کے پاس سو درم سے کم ہوں۔



## جزیہ کی رقم

جزیہ کی رقم مندرجہ ذیل تعمیری کاموں میں صرف کی جاتی تھی

(۱) لشکر کی آراستگی۔

(۲) فوجوں کی درستی۔

(۳) سرحد کی حفاظت۔

(۴) قلعوں کی تعمیر۔

(۵) راستوں کی تیاری۔

(۶) پلوں کی تعمیر۔

ان تعمیری کاموں سے نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ غیر مسلموں کو بھی فائدہ پہنچتا تھا۔

## عدالت کا صیغہ

اس صیغہ کا کام قرآن و سنت سے ملک کے اندر نزاعی مسائل کا فیصلہ کرنا تھا یہ صیغہ بہت اہمیت رکھتا تھا۔ اس محکمہ کا افسر اور جوابدہ قاضی ہوتا تھا۔ جو اور والیانِ ملکی کی طرح ہر علاقہ ہر صوبہ، بلکہ قریب قریب ہر شہر میں مقرر ہوتا۔

امیر المومنین ع کو اس صیغہ سے خاص دلچسپی تھی فقہ میں جو علم القضا کا اصل الاصول ہے۔ آپ کو جیسی لیاقت تھی ویسی صحابہ میں سے کسی کو نہیں تھی۔ کیونکہ احکام شرعیہ کو قاضی کے نوکِ زباں ہونا چاہیئے۔ اور شریعت کے قانون کی بنیاد علم القرآن اور علم الحدیث پر ہے۔ ان دونوں علوم کا جاننے والا امیر المومنین ع سے

سے بڑھ کر دوسرا اسلام میں پیدا نہیں ہوا۔ علم القرآن کی نسبت حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کا یہ دعوے نہایت صحیح ہے کہ کلامِ مجید کی ہر آیت کی نسبت میں یہ بتا سکتا ہوں کہ یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی یا مکہ میں۔ رات کو اُتری یا دن میں۔ پہاڑ پر یا زمین میں۔

اب رہا علم الحدیث اسکی تحصیل کی تکمیل کے ثبوت میں اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا وغیرہ اور بہت حدیثیں موجود ہیں۔ ۳۳ برس تک آنحضرتؐ کی صحبت میں ہر وقت رہنا سب سے بڑا ثبوت ہے آپ کی صیغۂ عدالت میں ممتاز حیثیت کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ بہت سے قضا کے متعلق ایسے فقہی مسائل رسول اللہ کے بعد پیش ہوئے جس میں بڑے بڑے قاضی کوئی حکم نہیں لگا سکے۔ آخر اُن کو امیرالمومنین علیہ السلام نے فیصل فرمایا۔ حضرت عمر نے آپ کے فضل و کمال کا اقرار اس طرح کیا کہ

"پناہ مانگتا ہوں میں خدا سے اس امرِ مشکل کے واسطے جس کے حل کے لئے ابوالحسن موجود نہ ہوں"۔

اس کے علاوہ حضرت عمر نے احکامِ شریعت کے فتوے کی نسبت عام طور سے حکم دیا تھا کہ کوئی شخص مسجد میں فتوا ے دینے

کا مجاز نہیں ہے جب حضرت علی علیہ السلام موجود ہوں۔"

جناب امیر نے مہاجر و انصار میں سے یہ عہدے اور منصب عموماً انہیں بزرگوں کو سپرد فرمائے جو اپنے تقدس، تقوے، امانت صداقت اور راست بازی کے معاملات میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ بعض ان قاضیوں کو حضرت نے برقرار رکھا جو خلفاً کے عہد سے کام کر رہے تھے اور ان سے دور ماضی میں ان کے متعلق کوئی شکایت نہیں سنی گئی۔ ہر قاضی کو ہمیشہ بے لوثی، صفائی اور امانت سے کام لینے کے لئے سخت سے سخت تاکید کی جاتی تھی اور ذرا سی شکایت پر اُن لوگوں کو پورا جواب دینا ہوتا تھا۔ اس کے لئے ایک مکمل دستور العمل بنایا جاتا تھا جس کے ماتحت قاضی کو کام کرنا پڑتا تھا۔

اس کے علاوہ والیانِ ملک کا یہ واجب فرض تھا کہ جن لوگوں کو قاضی مقرر کیا جائے۔ اُن کے معاملات کی پوری خبرگیری کی جائے۔ قاضی کی تنخواہ بیت المال سے اور اتنی دی جائے کہ وہ رشوت وغیرہ کی ضرورت نہ محسوس کرے۔

حضرت علیؑ کے عدل کی بہترین مثال نمونہ کے طور پر پیش کی جاتی ہے کہ جنگِ صفین میں آپ کی زرہ کھو گئی۔ کچھ دنوں بعد

انہوں نے وہ عیسائی کو پہنے دیکھا۔ مقدمہ قاضی کے سامنے لایا گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ زرہ میری ہے۔ اور عیسائی نے کہا میرا قبضہ، میری ملکیت کی دلیل ہے۔ قاضی نے گواہ مانگے۔ حضرت فوراً پیش نہ کر سکے۔ قاضی کو فیصلہ سنانے میں مجبوری ہوئی۔ اس لئے کہ حضرت علی پر معاذ اللہ جھوٹی گواہی کا گمان کیسے ہو سکتا تھا۔ امیر المومنین نے قاضی کی خاموشی کو بخوبی سمجھ لیا اور کہا ایسے معاملات میں خلافت یا امارت کا خیال کرنا سخت ظلم ہے۔ قاضی نے یہ سن کر حضرت کے خلاف فیصلہ کیا اور حضرت علی ع اور وہ عیسائی "دار القضا" سے واپس چلے گئے۔

## فوج اور لشکر کا صیغہ

فوجی بندوبست اور لشکر کے انتظام کے ساتھ بھی امیر المومنین علیہ السلام کو خاص دلچسپی تھی۔ کیونکہ لشکر اور فوجی تعلقات کے ساتھ جس قدر امیر المومنین کی حیات کا زمانہ گذرا ہم یقین کرتے ہیں کہ اُن کے اسلامی معاصرین میں سے کسی کو بھی اتنا موقع نہیں ملا۔

یہ تو ظاہر ہے کہ امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام نے

نہایت کم سنی سے جناب رسولِ خدا کی رفاقت میں اسلامی مجاہد کا اعزاز پایا اور غزوہ اُحد سے لے کر حنین و طائف کے آخری معرکوں تک فوجِ اسلامی کے منصبِ امارت پر ممتاز رہے اپنی مبارک عمر کا بیش بہا وقت فوجی انتظام، فوجی بندوبست، اور لشکر کی ترتیب اور لشکر کی درستی میں صرف کیا۔ آپ فنونِ جنگ کے بہت بڑے ماہر تھے۔

لیکن لشکر اور اہلِ لشکر نے جتنی محنت امیر المومنین علیہ السلام کے زمانے میں اٹھائی۔ اُسی قدر آرام بھی پایا۔ لشکر کے لئے حضرت کے دل میں جس قدر جگہ تھی وہ کسی اور فرمانروا کے دل میں نہیں ہو سکتی۔

آپ اپنے لشکر اور سرداران لشکر کو برابر ہدایات فرماتے رہے مثلاً معقل بن قیس سردار فوج کو آپ نے لکھا۔

"جس خدا سے ایک دن ملنا ہے۔ اس سے ڈرتے رہو سردی کے موسم میں صبح اور سہ پہر کو سفر کرو۔ دوپہر کے وقت ماتحتوں کو آرام کرنے دو۔ ابتدا شب میں سفر نہ کرو صبح ہو جائے تو خدا پر بھروسہ کر کے آگے بڑھو۔ وقتِ جنگ فوج کے درمیان میں رہو۔ دشمن سے نہ اتنے قریب ٹھہرو کہ میل کھا جانے کا خیال ہو نہ اتنے دور رہو کہ ڈر جانے کا وہم ہو

ہو۔ دیکھو، دشمن کو دشمن کے جذبہ میں حق کیطرف دعوت اور حجت تمام کرنے کے فرض کو نہ بھول جانا۔ ایسا نہ ہو کہ اتمامِ حجت سے پہلے جنگ شروع کردو۔"

اور ہدایات فرمائیں کہ کھیتی نہ جلاؤ، نقصان نہ کرو وغیرہ وغیرہ

## صیغۂ تقسیمِ بیت المال

حضرت علی ع نے جس وقت سے بیت المال کا چارج لیا اس کی تقسیم میں اپنی طرف سے خاص انتظام فرمایا۔ اور اس کی ترتیب اور درستی کی طرف خاص توجہ فرمائی۔

جب خراج کہیں سے آتا تھا تو آپ کو اسی دن وہ تمام مسلمانوں میں بحصّہ مساوی بانٹ دینا ضروری تھا۔ بیت المال میں صرف وہی مال رکھا جاتا تھا جو اس دن کی تقسیم سے رہ جاتا تھا۔ نماز پڑھتے اور فرماتے کہ اے بیت المال! قیامت کے دن خدا کے سامنے اس امر کی شہادت دینا کہ علی ع نے اس میں مسلمانوں سے روک کر مال جمع نہیں کیا۔" مال کی تقسیم میں اسی قدر محتاط تھے کہ ایک مرتبہ اصفہان سے کچھ مال آیا جس میں ایک روٹی بھی تھی پہلے آپ نے اس کے سات حصے کئے۔ پھر اس روٹی کے سات ٹکڑے

کئے اور ایک ٹکڑا ہر حصہ میں شامل کر کے مستحقین کے حوالے کر دیا۔

بیت المال کی تقسیم بالکل اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے ہر ہفتہ میں شب پنجشنبہ کو مسجد سے بیت المال میں تشریف لاتے اور ہفتہ وار آمدنی کا حساب لیتے۔ تقسیم کرتے وقت مساوات کا بہت خیال رکھتے۔

عقیل بن ابی طالب جو آپ کے حقیقی بھائی تھے وہ بوجہ کثرتِ اولاد تنگدست تھے۔ انھوں نے وظیفہ کی رقم میں اضافہ چاہا لیکن صاف انکار کر دیا۔

اسی طرح اور بہت سے صیغہ تھے جن کا بہترین انتظام کیا مثلاً

## صیغۂ تعلیم وارشاد وہدایت

یہ بہت ہی اہم صیغہ تھا۔ اس نے دو فرائض ادا کئے۔

(۱) اہل اسلام کی تعلیم

(۲) غیر مسلم قوموں کی ہدایت

آپ کے ایامِ حکومت میں اور گوشہ نشینی دونوں زمانوں میں بہت سے ایسے واقعات پیش آئے جن میں دوسری شریعت والے مناظرہ یا تحقیقِ حق کی نیت سے دربارِ خلافت میں آئے اور

اپنے سوالوں کا معقول جواب پا کر اسلام سے مشرف ہوئے۔

## یہودیوں کا پہلا وفد

یہودی علماء کی ایک جماعت بہت سے پیچیدہ مسائل لے کر آئی۔ انھوں نے علیحدہ علیحدہ سوالات کیئے اور خاطر خواہ جواب حاصل کر کے مشرف بہ اسلام ہوئے۔

## شہنشاہ روم کا فرستادہ وفد

نصرانی عالموں کا ایک وفد چند مسائل لے کر مدینہ میں آیا اُن کے سوالوں کا جواب اہلِ اسلام میں سے کوئی نہ دے سکا۔ حضرت علیؑ نے سب کے جواب دیئے۔ اور وہ لوگ مسلمان ہوئے۔

## یہودیوں کا دوسرا وفد

یہودیوں کے علما کا ایک وفد مدینۃ النبی میں حاضر ہوا سوالات کیئے اور مطمئن ہو کر اسلام لائے۔

مختصر یہ کہ آپ نے ہر شعبہ کی اصلاح کی اور ان بہترین اصول پر قائم کیا جو آپ کی کامیاب سیاست پر استدلال کرتے ہیں۔

حضرت امیر المومنین نے مالکِ اشتر کو حاکمِ مصر مقرر کرنے پر جو وصیت فرمائی ہے اس میں ہمیں حکومتِ الہٰیہ کا ایک مکمل دستور العمل ملتا ہے جو ایک قوم ایک زمانہ کے لئے نہیں بلکہ ہر قوم اور ہر زمانہ کے لئے ہے یہ عدل و انصاف کی حکومت ہے۔ مساوات کا درس دیا گیا ہے اور ایک حاکم کے لئے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اور حکومت کو مستحکم بنانے کے لئے عوام کا اعتماد حاصل کرے۔ اس کی طاقت اُن کی طاقت کے ساتھ وابستہ ہے یہ بھی فرمایا کہ عدل و انصاف میں مساوات ہو تاکہ کوئی غریب ہونے کی وجہ سے محروم نہ رکھا جائے۔ باشندوں کی اصلاح کی جائے۔ اُن کو جہادِ اعدا کے لئے تیار کیا جائے۔

حکومت کی مالی ضروریات کا تدارک کرنے کے لئے عوام سے خراج وصول کیا جائے۔ یہی وہ اصول ہیں جو ہر ترقی پسند ملک میں زیرِ عمل لانے ضروری ہیں۔

آخر میں ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ حضرت علی ع بحیثیت حاکمِ وقت، اقربا پروری، رشوت خوری۔ ظلم اور بے انصافی کے خلاف تھے آپ کی چند سالہ حکومت میں امن اور عدل و انصاف نے جس قدر رواج پایا اور ظلم و جور کے آثار جس طرح محو ہوگئے وہ اپنی نظیر آپ ہیں

آپ کی سیاست عدل و انصاف پر مبنی تھی۔

آپ نے اپنے دورِ حکومت میں مسلمانوں میں اسلامی مساوات سادگی، عدالت و انصاف کا سچا نمونہ پیش کیا۔ لیکن افسوس ہے کہ آپ کو زیادہ دن حکومت کا موقع نہیں ملا۔ اور ۱۹ر رمضان ۴۰ھ کو باغی جماعت کے ایک شخص نے جس کا نام عبدالرحمن بن ملجم مرادی تھا، عین حالتِ نماز میں آپ کے سر پر تلوار لگائی اور تین دن بعد ۲۱ر رمضان ۴۰ھ کو آپ نے شہادت پائی۔ اس وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی۔

# دوسرے امام حسنؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ

حضرت امام حسنؑ، حضرت علیؑ اور دختر رسول حضرت فاطمہؑ زہرا کے فرزند تھے۔ ۱۵ رمضان ۳ھ میں ولادت ہوئی۔ بچپن میں اپنے نانا رسولؐ اللہ کی آغوش میں پرورش پائی اور آنحضرتؐ نے تمام مسلمانوں کو ان کی محبت اور اطاعت کا حکم دیا۔ اور ان کی امامت کی تصریح کی۔ ۴۰ھ میں جب حضرت علیؑ نے وفات پائی تو امام حسن پیشوائے خلق مقرر ہوئے اور مسلمانوں نے بحیثیت حاکم کے آپ کی خلافت کو تسلیم کیا۔ لیکن حاکم شام معاویہ بن ابی سفیان جو پہلے ہی حضرت علیؑ سے جنگ کرتے رہے تھے۔ آپ سے بھی برسر پیکار ہوئے امام حسنؑ نے دیکھا کہ مسلمانوں کی خونریزی بہت ہو گی اور اس فتنہ کا اسوقت فرو کرنا ناممکن ہے اس لئے آپ نے حسب ذیل شرائط پر معاویہ کے ساتھ صلح کی اور ظاہری حکومت سے کنارہ کش ہو گئے وہ شرائط یہ ہیں۔

(۱) معاویہ مسلمانوں پر کتاب خدا و سنت رسولؐ کے مطابق حکومت

کریں گے۔

(۲) بیت المال کوفہ میں جو رقم بچ گئی ہے وہ امام حسنؑ کو دی جائے گی کہ حضرت زمانہ حکومت کے قرض ادا کر دیں۔

(۳) فسا اور دارابجرد کا خراج امام حسنؑ کو ملتا رہے گا کہ اہل بیت خرچ کرتے رہیں۔

(۴) اب سے حضرت علیؑ پر سب و شتم نہ کیا جائے گا۔

(۵) معاویہ کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اپنا کوئی ولی عہد مقرر کریں حیوۃ الحیوان و طبری و ابن قیتبہ کی تصریح کے مطابق یہ شرط بھی تھی کہ معاویہ کے بعد امام حسن خلیفہ ہوں گے اور جب حضرت کا انتقال ہو جائے تو امام حسینؑ ہوں گے۔

(۶) زمینِ خدا پر شام، مصر، عراق، حجاز، یمن وغیرہ میں ہر جگہ لوگ جان و مال سے امن و امان میں رہیں گے۔

(۷) اصحابِ علیؑ اور شیعانِ علی کی جان و مال عورتیں اور اولاد سب محفوظ رہیں گی۔

(۸) حسنؑ بن علیؑ اور اُن کے بھائی حسینؑ اور اہل بیت میں سے کسی شخص کے حق میں کہیں خفیہ یا علانیہ سازش نہ کریں گے سب محفوظ رہیں گے انہیں کسی طرح کا خوف نہیں دلایا جائے گا

(۹) معویہ اس عہد نامہ پر خدا سے عہد و میثاق کریں اور اُسے پورا کریں گے

(صواعق محرقہ صفحہ ۸۱)

معویہ اور امام حسنؑ قریب کوفہ انبار میں جمع ہوئے اور وہیں اس عہد نامہ پر فریقین کے دستخط اور لوگوں کی گواہیاں ثبت ہوئیں یہ عہد نامہ ۲۵ ربیع الاول ۴۱ھ کو لکھا گیا۔

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ امام حسنؑ خدائے بزرگ و برتر کی جانب سے پیشوائے خلق تھے۔ ظاہری حکومت سے کنارہ کش ہو جانا اس طرح تھا جیسے ۲۵ برس تک حضرت علیؑ گوشہ نشینی میں بسر کرتے رہے۔ اس سے آپ کی امامت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

آپ نے دس سال تک بالکل خاموشی کے ساتھ عبادتِ الٰہی اور تعلیمِ شریعت میں بسر کی اور ۲۸ صفر ۵۰ھ کو ۴۷ برس کی عمر میں معاویہ کی سازش سے زہرِ دغا سے شہادت پائی۔

# تیسرے امام حسین بن علی بن ابی طالب

آپ امام حسنؑ کے بھائی۔ رسول کے چھوٹے نواسے اور علیؑ و فاطمہؑ کے فرزند تھے۔ آپ کی ولادت ۳ شعبان ۴ھ کو ہوئی اور اپنے بڑے بھائیؑ کے ساتھ رسولؐ کی آغوش میں تربیت پائی۔ رسولؐ کو آپ سے بہت محبت تھی۔ لوگوں کو اُن کی محبت و اطاعت کی تاکید فرماتے تھے آپ نے بارہا فرمایا۔

حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنَ الْحُسَیْنِ    ترجمہ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔

آپ صرف سات برس کے تھے جب حضرتِ رسولِ خدا کی وفات ہوگئی اور اسی سال جناب فاطمہ زہراؑ نے انتقال فرمایا۔ امام حسین اس کے بعد حضرت علیؑ کی تربیت میں رہے اور رجب ۴۰ھ میں آپ کی شہادت ہوئی اور حضرت حسنؑ امام خلق ہوئے تو امام حسنؑ کی اطاعت کرتے رہے۔

امام حسنؑ نے معاویہ سے صلح کی حسینؑ نے بھی اس سے اتفاق

کیا اور دس برس امام حسن ع کی زندگی میں خاموش ہدایت اور عبادت خدا میں گذار دیئے۔ امام حسن ع نے اپنی وفات کے موقع پر امام حسینؑ کی امامت کی تاکید کی۔ اور اس طرح ۵۰ھ میں آپ امام خلق ہوئے۔

امیر معاویہ آپ کے ساتھ جو نامناسب سلوک کرتے یا آپ کے خیر خواہوں کو تشدد کا شکار بناتے اس پر حضرت امام حسین برابر احتجاج کرتے رہے۔ لیکن حضرت نے اس عرصہ میں کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا۔

## یزید کی تخت نشینی

حاکم شام معاویہ سے یہ شرط قرار پائی تھی کہ معاویہ کو اپنے بعد کسی دوسرے شخص کے خلیفہ مقرر کرنے کا حق نہیں ہوگا معاویہ نے سب شرطوں کے ساتھ سب سے آخر میں اس شرط کو بھی توڑا اور اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کی خلافت کا اعلان کر دیا۔ یزید بڑا ہی بدکردار انسان تھا۔ امام حسین ع نے اس کی خلافت کو ماننے سے انکار کر دیا۔ سنہ ۶۰ھ میں جب معاویہ کا انتقال ہوا اور یزید تخت نشین ہوا تو اس کو یہ فکر ہوئی کہ کسی نہ کسی طرح حسین ع

سے ضرور بیعت لے لی جائے۔ حسین ع کا قیام مدینہ میں تھا۔ لہٰذا اس نے مدینہ کے گورنر ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو حسب ذیل خط لکھا۔

" جیسے ہی تم کو میرا خط ملے تم حسین بن علی اور عبداللہ بن زبیر کو بلاؤ۔ اور ان دونوں سے میری بیعت لو اگر یہ انکار کر دیں تو انہیں قتل کر دو۔ اور ان دونوں کے سر میرے پاس بھیجدو اور لوگوں سے بھی بیعت لو اور جو انکار کرے۔ اُسے اور حسین بن علی اور عبداللہ بن زبیر کو قتل کر دو۔ والسلام

## واقعہ کربلا

امام حسین کو بیعت کسی طرح منظور نہیں تھی لیکن جان کی حفاظت بھی فرض تھی۔ آپ نے مدینہ کو چھوڑ کر مکہ میں جا کر پناہ لی۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں اسلامی شریعت میں کسی کو آزار پہنچانا جائز نہیں، لیکن یزید کی طرف سے وہاں بھی کچھ لوگ بھیجے گئے کہ امام کو قتل کر ڈالیں۔ لہٰذا انھیں مکہ کے باہر آنا پڑا۔ کوفہ کے لوگ آپ کو بلا رہے تھے۔ آپ نے کوفہ جانے کا ارادہ کیا۔ مگر وہاں یزید کی طرف سے ابنِ زیاد کی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ ابنِ زیاد نے

فوجیں بھیجدیں کہ راستہ ہی میں امام حسینؑ کو گرفتار کر لیا جائے حسین ع کو حُر بن یزید ریاحی نے اس طرف سے جدھر وہ جانا چاہتے تھے روکا۔ امام صحرائے کربلا ہی میں مقیم ہو گئے۔

یزید کی بیعت کا مطالبہ پھر پیش ہوا۔ امام حسینؑ نے پھر انکار کر دیا۔ آخر دسویں محرم ۶۱ھ میں اپنے بھائیوں، بھتیجوں، بیٹوں کے ساتھ میدان کربلا میں ایک دوپہر کی جنگ کے بعد شہید ہوئے

# چوتھے امام زین العابدینؑ علی بن حسینؑ

آپ حضرت امام حسین کے سب سے بڑے فرزند تھے۔ حضرت کی ولادت ۱۵ رجمادی الثانی ۳۸ھ میں ہوئی صرف دو سال کی عمر تھی۔ جب آپ کے جدّ بزرگوار امیر المومنین کا انتقال ہو گیا۔

آپ نے اپنے چچا اور باپ کی آغوش میں تربیت پائی ۶۱ھ میں حضرت امام حسین کی شہادت کے موقع پر آپ اس قدر بیمار تھے کہ اٹھنا بیٹھنا مشکل تھا۔ لہٰذا جہاد کا حکم آپ پر ساقط تھا یہ خدا کی مصلحت تھی اور قدرت کو سلسلۂ امامت کا بقا مطلوب تھا۔

آپ اپنے والد کے بعد امامِ خلق ہوئے۔ آپ کی عبادت مشہور ہے۔ رات دن میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھنے کا معمول تھا۔ اس کے ساتھ احکامِ شریعت اور علومِ اہل بیت کی خاموشی کے ساتھ تعلیم دیتے رہے۔

حضرت کے علمی اور دینی کمالات کے لئے آپ کی مشہور کتاب صحیفۂ کاملہ کافی ہے جس کو "زبورِ آلِ محمد" کہا جاتا ہے۔

دوسری کتاب آپ کی الحقوق ہے۔ اس کتاب میں آپ نے وہ پچاس بنیادی حقوق (FUNDAMENTAL RIGHTS) بیان فرمائے ہیں جو ایک بہترین سوسائٹی کی تعمیر کرتے ہیں۔ اور ان حقوق کو پڑھے اور سمجھے بغیر انسان کبھی سوسائٹی میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کتاب الحقوق انہیں پچاس حقوق کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب متقدمین کی متعدد کتابوں میں نقل ہوتی چلی آئی ہے۔

(۱) علامہ جعفر ابن محمد ابن علی ابن موسیٰ ابن بابویہ نے کتاب الخصال جلد ۲ میں (صفحہ ۱۲۶ مطبوعہ ایران ۱۳۰۲ھ میں)

(۲) علامہ صدوق نے "من لا یحضرہ الفقیہ جلد ۲ اور صفحہ ۲۰۳ میں

(۳) ابن شعبہ نے اپنی کتاب تحف العقول میں اسے نقل کیا ہے یہ کتاب اخلاقی، معاشرتی، مذہبی اور سیاسی نقطۂ نظر سے بہت اہمیت رکھتی ہے اس لئے کہ اس میں خدا اور انسان اور اس کا نفس

انسان اور اس کا خاندان

انسان اور اس کے متعلقین

انسان اور اس کے محسن

انسان اور جماعت

انسان اور حکومت

حکومت و رعایا کے حقوق بتلائے گئے ہیں۔

اس طرح ایک چھوٹی سی کتاب میں مکمل زندگی کا تصور سامنے رکھا گیا ہے۔

ابو حمزہ ثمالی جو امام زین العابدین علیہ السلام کے خاص صحابی تھے وہ حضرت سے اس کتاب کی روایت کرتے ہیں۔

دوسرا سلسلۂ سند ابن دینار کا ہے۔

مختصر یہ کہ "کتاب الحقوق" ایک اہم کتاب ہے اور معتبر ذرائع سے اس کی سند ملتی ہے۔ الحقوق میں جن پچاس بنیادی حقوق کا ذکر ہے ان پر اگلے باب میں روشنی ڈالی جائے گی۔

# پچاس بنیادی حقوق

## (۱) اللہ کا حق

اللہ کا حق یہ ہے کہ تم اس کی عبادت کرو۔ اور اس کا کسی کو شریک نہ قرار دو۔ اگر خلوص کے ساتھ عبادت کروگے تو وہ تمہارے دنیاوی اور اخروی معاملات کی درستی کی ذمہ داری لے لے گا۔

## (۲) نفس کا حق

تمہارے نفس کا تم پر یہ حق ہے کہ تم اُسے اطاعتِ الٰہی میں صرف کرو۔



## (۳) زبان کا حق

زبان کا حق یہ ہے کہ اُسے غلطی سے بچاؤ۔ اور خیر کا اُسے عادی بناؤ اور ایسی باتیں اس سے چھڑا دو جس سے کوئی فائدہ نہیں لوگوں

کے متعلق اچھی باتیں کرو۔

## (۴) کان کا حق

کان کا حق یہ ہے کہ اُسے غیبت سُننے سے بچاؤ اور جن باتوں کا سُننا جائز نہیں ان سے محفوظ رکھو۔

## (۵) آنکھ کا حق

آنکھ کا حق یہ ہے کہ جن چیزوں پر نظر کرنا جائز نہیں ہے اس سے انہیں بند رکھو اور ان چیزوں پر نظر کرو جن سے عبرت حاصل ہو۔

## (۶) ہاتھ کا حق

ہاتھ کا حق یہ ہے کہ انہیں ان چیزوں کی طرف نہ پھیلنے دو جو ناجائز ہیں



## (۷) پیروں کا حق

پیروں کا حق یہ ہے کہ انہیں ناجائز راستہ پر نہ چلاؤ۔ ٹھیک راستے پر کھڑے رہو۔ تاکہ تمہارا پاؤں پھسلے نہیں تم جہنم میں نہ جاؤ۔

## (۸) پیٹ کا حق

پیٹ کا حق یہ ہے کہ اُسے حرام کا ظرف نہ بناؤ۔ اور اُسے سیرابی سے زیادہ نہ دو۔

## (۹) نسلی اعضا کا حق

تمہارے نسلی اعضاء کا حق یہ ہے کہ تم انہیں بد کاری سے بچاؤ اور انہیں محفوظ رکھو اور بچاؤ کہ ان پر نظرِ غیر نہ پڑے۔

## (۱۰) نماز کا حق

نماز کا حق یہ ہے کہ تم یہ سمجھو کہ یہ خدا کے روبرو حضوری ہے تم خدا کے سامنے کھڑے ہو۔ جب یہ تصور تمہارے سامنے قائم ہو جائے گا تو تم اس طرح نماز میں کھڑے ہوگے جیسے ذلیل، حقیر، فرو تمند خوفزدہ اُمیدوار اور مسکین کھڑا ہوتا ہے اور جس کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اسکی عظمت کا اظہار سکون و وقار کرنا ہے۔

دل سے نماز کی طرف متوجہ ہو اور اُس کو حقوق و حدود کے ساتھ ادا کرو۔

## (۱۱) روزہ کا حق

روزہ کا حق یہ ہے کہ تم سمجھو کہ یہ ایک پردہ ہے جو خدا نے تمہاری زبان۔ کان۔ آنکھ۔ شکم اور نسلی اعضا پر ڈال دیا ہے۔ تاکہ تمہیں جہنم سے چھپائے۔ اگر تم روزے کو توڑ دو گے تو تم نے اس پردہ کو چاک کیا جو اللہ نے تمہارے آگے ڈالا تھا۔

## (۱۲) حج کا حق

حج کا حق یہ ہے کہ تم یہ سمجھو کہ یہ خدا کے سامنے حضوری ہے اور تم اپنے گناہوں سے بھاگ کر اس کی بارگاہ میں حاضر ہو رہے ہو اور یہ کہ حج سے تمہاری توبہ قبول ہوتی ہے اور وہ فرض پورا ہوتا ہے جو خدا نے تم پر لازم کیا ہے۔



## (۱۳) صدقہ کا حق

صدقہ کا حق یہ ہے کہ تم یہ سمجھو کہ یہ تمہارا ذخیرہ ہے اور اللہ کے پاس ہے اور یہ امانت ہے اس کی تمہیں ضرورت پڑے گی اور جو صدقہ تم مخفی طور پر دیتے ہو وہ بلحاظ اس صدقہ کے جو علانیہ طور

پر دیتے ہو زیادہ محفوظ ہے۔ صدقہ ردِّ بلا ہے اور دنیا میں بیماریاں دور ہوتی ہیں اور آخرت میں عذاب سے بچاتا ہے۔

## (۱۴) ہدایت کا حق

ہدایت کا حق یہ ہے کہ تم اس سے رضائے الہٰی کو ملحوظ رکھو اور مخلوق کو سامنے نہ رکھو۔ رحمتِ الہٰی کے اس سے خواہاں ہو اور آخرت میں روح کی نجات کے طلب گار رہو۔

## (۱۵) بادشاہ کا حق

بادشاہ کا حق یہ ہے کہ تم اس کے لیئے محلِ آزمائش قرار دیے گئے ہو۔ اس کو جو طاقت دی گئی ہے۔ اس کی وجہ سے وہ تمہارے لئے محلِ امتحان ہے۔ تمہیں چاہیئے کہ تم اُس کی ناراضگی مول نہ لو اور اپنے نفس کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور جو برائیاں وہ کرے تم اُس کے شریک نہ ہو۔

## (۱۶) علم کے ذریعہ سے مربّی کا حق

اور جو تمہارا علم کے ذریعہ سے مربّی ہے۔ اس کا حق یہ ہے کہ

اس کی تعظیم کرو اور اس کی بزم کا وقار رکھو۔ اس کی بات کو ٹھیک سے سنو۔ پوری طرح اس کی طرف متوجہ رہو۔ اُس کی آواز پر اپنی آواز کو بلند نہ ہونے دو اور جب وہ کسی سے سوال کرے وہی اُس کا جواب دے۔ اُس کی بزم میں کسی سے باتیں نہ کرو۔ نہ اُس کی بزم میں کسی کی غیبت کرو۔ جب تمہارے مُربّی کی بُرائی کی جائے تو دفاع کرو، اس کے عیوب کو چھپاؤ فضیلتوں کو ظاہر کرو۔ اس کے دشمن کے پاس نہ بیٹھو۔ اس کے دوست سے دشمنی نہ کرو۔ جب تم ایسا کروگے تو فرشتگانِ الٰہی گواہی دیں گے کہ تم نے رضائے الٰہی کو ملحوظ رکھا اور علمِ الٰہی کو رضائے الٰہی کے لئے حاصل کیا۔ انسانی رضا کے لئے نہیں کیا۔

## (۱۷) حاکم کا حق

تمہارے نگراں کا حق یہ ہے کہ تم اس کی اطاعت کرو، نافرمانی نہ کرو، بجز اُن چیزوں کے جن سے خدا ناراض ہوتا ہے اس میں اطاعت نہ کرو اس لئے کہ کسی مخلوق کی اطاعت اس کی نافرمانی میں جائز نہیں۔

## (۱۸) رعیت کا حق

رعیت کا حق یہ ہے کہ تم سمجھو کہ وہ تمہاری رعایا اس لیے ہے کہ تم قوی ہو، وہ کمزور ہیں۔ تم کو لازم ہے کہ عدل کرو۔ مہربان باپ کی طرح پیش آؤ۔ جہالت کو معاف کرو۔ فوراً سزا نہ دو۔ خدا کے شکر گذار ہو کہ اس نے ان پر حکومت کی تمہیں قوت عطا فرمائی۔

## (۱۹) طالبانِ علم کا حق

اُن کا حق یہ ہے کہ تم سمجھو کہ خدا نے جو تمہیں علم عطا فرمایا ہے اور حقائق کے خزانے کھولے ہیں، ان پر تمہیں نگراں بنایا ہے طلبہ کو فائدہ پہنچانے کے لئے اگر تم اچھی طرح تعلیم دیتے رہوگے اور درشتی سے پیش نہ آؤگے تو خدا تم پر اپنا فضل زیادہ کرے گا۔ اگر تم لوگوں سے اپنے علم کو روک رکھوگے یا جب تم سے علم کی طلب چاہیں گے تو تم ان سے سخت مزاجی سے پیش آؤگے تو اللہ علم کی رونق تم سے چھین لے گا اور تمہیں دلوں سے گرا دے گا۔

## (۲۰) بیوی کا حق

بیوی کا حق یہ ہے کہ تم یہ سمجھو کہ خدا نے اس کو تمہارے لئے سکون

دانش کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ تم کو سمجھنا چاہیئے یہ اللہ کی تم پر نعمت ہے
تم اُس پر سختی نہ کرو۔ نرمی سے پیش آؤ۔ اگرچہ تمہارا حق بھی اس پر
بہت ہے لیکن تمہارا حق یہ ہے کہ تم اُس پر رحم کرو۔ اس لئے کہ وہ
تمہاری اسیر ہے۔ اُسے کھلاؤ۔ پلاؤ۔ پہناؤ۔ اگر وہ جہالت سے پیش
آئے، معاف کردو۔

## (۲۱) تمہارے مملوک کا حق

تمہارے مملوک کا حق یہ ہے کہ تم یہ سمجھو کہ وہ خدا کی مخلوق ہے
اور تمہارے ماں باپ کی اولاد ہے۔ تمہارا گوشت ہے اور خون
ہے۔ تم اس لئے اس کے مالک نہیں ہو کہ تم نے اُسے پیدا کیا ہے
نہ تم نے اُس کے اعضاء پیدا کئے ہیں۔ نہ اُس کے لئے رزق پیدا
کیا ہے۔ لیکن اللہ نے تمہارے ذریعہ سے اُس کا رزق مقرر کیا ہے
تمہارا اطاعت گذار بنایا ہے۔ تم کو اُس کا امین بنایا ہے۔ تاکہ جو تم اچھا
سلوک اُس کے ساتھ کرو، خدا محفوظ رکھے۔ مملوک کے ساتھ اسی
طرح بھلائی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ کی ہے۔ اگر پسند
نہ کرو، بدل لو۔ خلقِ الٰہی کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ قوت و طاقت کا مالک
اللہ ہی ہے۔

## (۲۲) ماں کا حق

تمہیں اپنا ماں کا حق پہچاننا چاہیئے کہ اُس نے تمہیں اُس جگہ اُٹھایا جہاں کوئی دوسرا نہیں اُٹھا سکتا اور تمہیں اپنے دل کا وہ پھل دیا جو کوئی کسی کو نہیں دے سکتا۔ اور اس نے اپنے تمام اعضاء سے تمہاری حفاظت کی اور اس کی پروا نہیں کی کہ خود بھوکی رہے اور تم کو کھلائے۔ خود پیاسی رہے اور تم کو سیراب کرے۔ خود بے لباس رہے، تمہیں کپڑے پہنائے، خود دھوپ میں رہے اور تم کو سایہ میں رکھے تمہارے لیے نیند سے ہاتھ دھوئے تمہیں سردی اور گرمی سے بچائے۔ تم بغیر مددِ الہٰی اور اُس کی توفیق کے اُس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتے۔

## (۲۳) باپ کا حق

تم اپنے باپ کا یہ حق سمجھو کہ وہ تمہاری اصل ہے۔ اگر وہ نہ ہوتا تو تم نہ ہوتے۔ تمہیں اپنے نفس میں اگر کوئی بھی جمال نظر آئے تو تم سمجھو کہ اُس کی اصل تمہارا باپ ہے۔ خدا کی حمد کرو اور اُس کا شکریہ ادا کرو۔ اللہ کے سوا کسی میں کوئی قوت نہیں۔

## (۲۴) بیٹے کا حق

تم اپنے بیٹے کا حق یہ سمجھو کہ وہ تم سے ہے تمہارا جزو ہے اور اس دنیا میں اُس کا خیر و شر تمہاری طرف منسوب ہو گا۔ ادب اور خدا کی طرف رہنمائی کے بارے میں تم سے سوال ہو گا کہ تم نے کیا کیا اور اطاعتِ الٰہی میں اس کی کیا مدد کی۔ تم اُس کے ساتھ یوں برتاؤ کرو۔ جیسے وہ شخص عمل کرتا ہے جو سمجھتا ہے کہ کسی کے ساتھ بھلائی کرنے سے ثواب ملے گا۔ کوتاہی کرنے سے سزا ملے گی۔

## (۲۵) بھائی کا حق

بھائی کا حق یہ سمجھو کہ وہ تمہارا بازو ہے۔ عزت اور قوت ہے۔ اُسے خدا کی نافرمانی میں آلۂ کار نہ بناؤ اور نہ مخلوق پر ظلم کرنے میں اُسے اپنی پونجی سمجھو۔ اُس کے دشمن کے مقابلہ میں اس کی مدد سے کوتاہی نہ کرو۔ اس کے ساتھ اخلاص میں کمی نہ کرو۔

## (۲۶) آقا کا حق

تمہارے اس آقا کا حق جو تم پر احسان کر رہا ہے اس نے تم پر

اپنا مال خرچ کیا ہے اور تمہیں غلامی کی ذلت سے نکالا ہے تم کو غلامی کی وحشت سے نکال کر آزادی کی عزت کی طرف لایا ہے۔ غلامی کی زنجیریں کاٹی ہیں۔ قید خانہ سے نکالا ہے۔ اور تمہیں تمہارے نفس کا مالک بنایا ہے۔ عبادتِ الٰہی کے لئے فارغ البال بنایا ہے اور تم کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ تمہاری زندگی اور موت میں سب سے زیادہ قریب ہے۔ اس کی مدد واجب ہے اور تم سے جو اُسے ضرورت پڑے اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔

## (۲۷) آزاد کردہ غلام کا حق

تمہارے آزاد کردہ غلام کا حق جس پر تم نے آزادی کا انعام کیا ہے یہ ہے کہ خدا نے اس کو تمہارا آزاد کرنا اپنے تقرب کا ایک ذریعہ قرار دیا ہے اور اس کی آزادی کو آتش دوزخ سے تمہارے لئے حجاب قرار دیا ہے اور تمہیں اس کا ثواب اس دنیا میں ملے گا اور آخرت میں صرف اُس کا بدلا پاؤ گے۔

## (۲۸) محسن کا حق

جو تمہارا محسن ہے اُس کا حق تم پر یہ ہے کہ تم اُس کے شکر گذار

ہو۔ اس کی نیکی کو یاد رکھو۔ اور اس سے اچھی باتیں کرو۔ اور خلوت میں اللہ سے اس کے لئے دعا کرو۔ اگر تم تنہائی میں اور علانیہ طور پر ایسا کرو گے تو گویا تم نے اس کا حق شکر ادا کر دیا۔ اگر تم سے ہو سکے تو اس کی بھلائی کا بدلا بھی کرو۔

## (۲۹) موذّن کا حق

تمہارے موذّن کا حق یہ ہے کہ وہ تمہیں نماز کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ خدا کی یاد دلاتا ہے۔ تمہارے فریضہ کی طرف دعوت دیتا ہے۔ فرضِ الٰہی کے ادا کرنے میں تمہارا مددگار ہوتا ہے اس کا شکر اس طرح ادا کرو جیسے اپنے محسن کا۔

## (۳۰) پیش نماز کا حق

پیشِ نماز کا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے اور خدا کے درمیان سفارت کا کام کرتا ہے۔ تمہاری طرف سے اللہ سے باتیں کرتا ہے۔ تم اس کی طرف سے نہیں بولتے۔ وہ تمہارے لئے دعا کرتا ہے اگرچہ تم اس کے لئے نہیں کرتے۔ وہ تمہیں اس ہولناک مقام پر قیام سے بچا لیتا ہے۔ جہاں وہ خدا کے سامنے کھڑا ہوتا ہے

اگر اس سے کوئی کمی رہ جاتی ہے تو تم پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا اور اگر وہ تکمیل سے عبادت کو انجام دیتا ہے تو تم اُس کے شریک ہوتے ہو۔ وہ تم کو بچاتا ہے، اپنے کو پیش کر کے تمہاری نماز کو بچاتا ہے، اپنی نماز کو پیش کر کے۔ تمہیں اس خدمت کے مطابق اس کا شکر گذار ہونا چاہیئے۔

## (۳۱) ہمسایہ کا حق

تمہارے ہمسایہ کا حق یہ ہے کہ اس کے پیچھے اس کی حفاظت کرو اور اس کی موجودگی میں اس کا احترام کرو۔ اگر وہ مظلوم ہو، اُس کی مدد کرو۔ اس کے عیوب نہ ڈھونڈو۔ اگر تمہیں اس کا کوئی عیب معلوم ہو، اس پر پردہ ڈال دو۔ اگر تمہیں معلوم ہو کہ وہ تمہاری نصیحت مان لے گا۔ تو اُسے نصیحت کرو۔ سختی میں اُسے چھوڑو نہیں۔ اس کی لغزشوں کو معاف کر دو۔ اس کے گناہ معاف کر دو۔ اس سے نہایت باعزت معاشرت اختیار کرو۔ قوت کا مالک اللہ ہی ہے۔

## (۳۲) ساتھی کا حق

ساتھی کا حق یہ ہے کہ اُس کے ساتھ تفضل اور انصاف کے ساتھ

برتاؤ کرو جیسی وہ تمہاری عزت کرتا ہے۔ تم اُس کی کرو۔ اس کے پہلے بھلائی نہ کرنے دو۔ اگر وہ سبقت لے گیا۔ اس کا بدلہ دو۔ وہ جیسی تم سے محبت کرتا ہے تم اس سے کرو۔ اس کے لئے باعثِ رحمت بنو۔ مخالف اور عذاب نہ بن جاؤ۔

## (۳۳) ہمنشین کا حق

تمہارے ہمنشین کا حق یہ ہے کہ تم اس سے نرمی سے پیش آؤ۔ اور اس کی بزم سے بغیر اجازت نہ اُٹھو۔ جو تمہارے پاس آئے وہ مجاز ہے کہ بغیر اجازت چلا جائے۔ اس کی لغزشوں کو بھلا دو اس کی اچھائیوں کو یاد رکھو اُسے اچھی باتیں سُناؤ۔

## (۳۴) شریکِ کار کا حق

شریکِ کار کا حق یہ ہے کہ وہ کہیں چلا جائے۔ اس کا کام کر دو۔ موجود ہو، اس کا خیال رکھو بغیر اس کے مشورہ کے کوئی بات خود رائی سے نہ کرو۔ اس کے مال کی حفاظت کرو۔ اور کسی قسم کی خیانت نہ کرو۔ خدا کی رحمت دو شریک کار پر اُس وقت رہتی ہے جب تک دونوں خیانت نہیں کرتے۔

## (۳۵) مال کا حق

تمہارے مال کا حق یہ ہے کہ تم حلال سے لو اور اس کو صحیح مصرف میں خرچ کرو اور اس سے وہ کام کرو جس سے اطاعت الہٰی وابستہ ہو اور ایسا نہ کرو کہ گنجائش کے باوجود حسرت و ندامت سے سابقہ رہے

## (۳۶) قرض خواہ کا حق

تمہارے قرض خواہ کا حق یہ ہے کہ اگر تم خوشحال ہو تو قرض ادا کرو اور اگر تنگدست ہو تو راضی کرو۔ شیریں بیانی سے واپس کرو۔

## (۳۷) دوست کا حق

دوست کا حق یہ ہے کہ اُسے دھوکا نہ دو۔ اور خدا سے اس کے معاملہ میں ڈرو۔



## (۳۸) مدّعی کا حق

مدّعی کا حق یہ ہے کہ اگر اُس کا کیا ہوا دعوٰے سچ ہے تو تم اُس کے گواہ اپنے خلاف بن جاؤ۔ اس پر ظلم نہ کرو، اس کا

پورا حق ادا کر دو۔ اور اگر وہ باطل پر ہے تو اُس سے نرمی سے پیش آؤ۔ کوئی بات نرمی کے خلاف نہ کرو۔ اس کے معاملہ میں خدا کو ناراض نہ کرو۔

## (۳۹) تمہارے مدعا علیہ کا حق

اس کا حق جو تمہارا مدعا علیہ ہو یہ ہے کہ اگر تم اپنے مطالبہ میں حق پر ہو تو اپنا مطالبہ جاری رکھو لیکن حق کا انکار نہ کرو۔ اگر باطل پر ہو تو توبہ کرو۔ دعوے کو اٹھالو۔

## (۴۰) مشورہ چاہنے والے کا حق

اُس کا حق یہ ہے کہ اگر تم سمجھتے ہو کہ تم صاحب رائے ہو تو اُسے مشورہ دو اور اگر تمہاری رائے صحیح نہ ہو تو ایسے کا پتہ دو جو صاحب الرائے ہو۔



## (۴۱) مشیر کا حق

مشیر کا حق یہ ہے کہ اگر اُس کی رائے تمہاری رائے کے مطابق نہ ہو تو تہمت نہ لگاؤ۔ اور اگر موافق ہو تو شکر خدا کرو۔

## (۴۲) نصیحت کے طلبگار کا حق

اس کا حق جو تم سے نصیحت طلب کرے یہ ہے کہ اُسے نصیحت کرو۔ لیکن تم کو چاہیئے کہ طریقہ کار رحیمانہ ہو اور مہربانی سے اس خدمت کو انجام دو۔

## (۴۳) ناصح کا حق

ناصح کا حق یہ ہے کہ تم اُس کی اطاعت کرو۔ غور سے اس کی بات سنو۔ اگر ٹھیک بات کرے، خدا کی ثنا کرو اور اگر تم نے ٹھیک بات نہیں کہی تو اُس پر اتہام نہ لگاؤ۔ سمجھو خطا ہوگئی۔ اس سے اُس کا مواخذہ نہ کرو۔ اور اگر وہ تہمت کا مستحق ہے پروانہ کرو ویسا ہی سمجھو۔

## (۴۴) بزرگ کا حق

بزرگ کا حق یہ ہے کہ اس کے سن کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی عزت کرو۔ اسلام میں مقدم ہونے کے سبب اس کا احترام کرو اور جھگڑے میں اس کا مقابلہ نہ کرو۔ راستہ میں اس سے آگے نہ چلو

جہالت سے نہ پیش آؤ۔ اگر وہ پیش آئے برداشت کرو۔ اسلام کی وجہ سے عزّت و حُرمت کرو۔

## (۴۵) چھوٹے کا حق

چھوٹے کا حق یہ ہے کہ اُس کی تعلیم میں اس پر رحم کرو اور اُسے معاف کرو۔ اس کے عیب کو چھپاؤ، اس سے نرمی سے پیش آؤ۔ اُس کی مدد کرو۔

## (۴۶) سائل کا حق

سائل کا حق یہ ہے کہ جتنی ضرورت ہے اُسے دو۔

## (۴۷) مسئول کا حق

مسئول کا حق یہ ہے کہ جو دے اُسے شکر سے قبول کرو اس کی فضیلت سمجھو۔ اگر نہ دے اس کا عذر مان لو۔

## (۴۸) جو تم سے معافی مانگے اُس کا حق

اس کا حق یہ ہے کہ اگر تم سمجھتے ہو، معافی مضرت رساں ہے

تو اس سے بدلہ لو۔ خدا نے فرمایا ہے کہ جو ظلم کے بعد اُس کا بدلہ لے اُس کی حرف گیری نہیں کی جا سکتی۔ (الزام نہیں لگایا جا سکتا)

## (۴۹) اہلِ ملت کا حق

اہلِ ملت کا حق یہ ہے کہ تم اُنکی سلامتی کا خیال دل میں رکھو، ان کے لئے باعثِ رحمت بنو۔ جو اُنمیں بُرے ہیں اُنکے ساتھ نرمی سے پیش آؤ، اُنکو مانوس بناؤ۔ اُنکی اصلاح کرو۔ اگر اچھے ہیں اُنکی تکلیف دور کرو۔ جو اپنے لئے پسند و ناپسند کرتے ہو اُن کے لئے بھی وہی مسلک اختیار کرو۔ اُنکے بڈھوں کو باپ کی جگہ، جوانوں کو بھائی کی جگہ، بڑھیوں کو ماں کی جگہ اور بچوں کو اولاد کی جگہ سمجھو۔

## (۵۰) ذمیوں کا حق

ذمیوں کا حق یہ ہے کہ جو بات اللہ نے اُنکی قبول کی ہے تم بھی قبول کرو اُن پر ظلم نہ کرو، جب تک کہ وہ عہدِ الٰہی کو پورا کرتے رہیں۔

---

حضرت کے زمانہ میں بنی اُمیہ کی سلطنت رہی۔ یزید، معاویہ بن یزید مروان بن الحکم، عبدالملک بن مروان اور ولید بن عبدالملک خلفا گزرے۔

آپ نے ۲۵ محرم ۹۵ھ میں ولید بن عبدالملک کے زہر دلوانے سے شہادت پائی۔ اس وقت آپ کی عمر ۵۷ سال تھی۔

# پانچویں امام محمدؑ باقرؑ بن علیؑ بن حسینؑ

آپ یکم رجب ۵۷ھ میں پیدا ہوئے۔ کمسنی کا زمانہ امام حسینؑ کی تربیت میں گزرا۔ ساڑھے تین سال کی عمر میں واقعہ کربلا پیش آیا۔ آپ کے جد بزرگوار امام حسینؑ شہید ہوئے۔ اس کے بعد آپ اپنے والد امام زین العابدینؑ کے زیر سایہ رہے۔

## علم و شریعت کی اشاعت

آپکو علم و شریعت کی اشاعت کا بہت موقع ملا۔ اور اسی لئے تمام مسلمان کو "باقر" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس کے معنی ہیں" اندرونی باتوں کے ظاہر کرنے والے"
چونکہ آپ نے اپنے علم سے بہت سے پوشیدہ حقائق و معارف کو ظاہر کیا۔ اس لئے محمدؐ باقر کے نام سے مشہور ہوئے۔
آپ کے شاگرد جابر بن یزید جعفی نے ستر ہزار حدیثیں آپ سے روایت کی ہیں اور اسی طرح ابان بن تغلب، ابو حمزہ ثمالی

زرارہ بن اعین، محمد بن مسلم وغیرہ بڑے بڑے بلند مرتبہ اور پایہ کے علما تھے جو آپ کے حلقۂ درس سے درجۂ کمال تک پہنچے اور جن سے دنیائے اسلام کو بڑا فیض حاصل ہوا۔

حضرت کی خلافت ۹۵ھ سے ۱۱۴ھ تک رہی۔ اس درمیان میں حسب ذیل بادشاہ بنی امیہ سے ہوتے رہے۔

(۱) ولید بن عبدالملک
(۲) سلیمان بن عبدالملک
(۳) عمر بن عبدالعزیز
(۴) یزید بن عبدالملک
(۵) ہشام بن عبدالملک

۷ ذی الحجہ ۱۱۴ھ میں ستاون برس کی عمر میں آپ کو ہشام بن عبدالملک کی جانب سے زہر دیا گیا جس سے آپ کی شہادت ہوئی۔

# چھٹے امام جعفر صادقؑ بن محمدؑ بن علیؑ بن حسینؑ

آپ امام محمد باقر کے فرزند اور جانشین تھے۔ صادق کے لقب سے ملقب تھے۔ حضرت کی ولادتِ باسعادت، ۱۷ ربیع الاول ۸۳ھ میں ہوئی۔ آپ نے اپنے والد بزرگوار کے بعد بالکل اسی طرح علم کے دریا بہائے۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد چار ہزار سے زیادہ تھی۔ ممالکِ اسلامی میں دور دور سے لوگ آپ سے علم حاصل کرنے کے لئے آتے تھے۔

امام ابو حنیفہ بھی آپ کے شاگرد تھے۔ مگر انھوں نے اپنا الگ حلقۂ اثر قائم کیا۔

حضرت کے زمانہ میں خلفاء بنی اُمیہ سے

عبد الملک، ولید، سلیمان۔ عمر بن عبد العزیز، یزید بن عبد الملک ہشام و ولید بن یزید، بن عبد الملک، و یزید الناقص وابراہیم بن ولید اور مروان حمار گذرے۔

زوالِ بنی امیہ اور آغاز خلافتِ بنی عباس

آپ کے زمانے میں ہی بنی امیہ کا دور ختم ہو کے بنی عباس

# ساتویں امام موسیٰ کاظمؑ بن جعفرؑ بن محمدؑ

آپ کاظم کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اس لئے کہ آپ غصہ کو بہت ضبط کرتے تھے اور کسی کو اُس کی زیادتی کا بدلہ نہیں دیتے تھے۔ ۷ صفر ۱۲۸ھ میں پیدا ہوئے اور اپنے والد کے بعد فرائضِ امامت کے ذمہ دار ہوئے۔

آپ عبادت، علم اور سخاوت میں اپنے زمانہ کے سب سے بہتر تھے اور تعلیم شریعت میں برابر مصروف رہتے تھے۔

## خلفاء بنی عباس کا شباب

حضرت کے زمانہ میں خلفاء بنی عباس کی سلطنت شباب پر تھی آپ کے زمانہ میں مندرجہ ذیل خلفاء ہوئے۔

۱- ابو منصور دوانیقی

۲- مہدی

۳- ہادی

# آٹھویں امام علیؑ بن موسیٰؑ رضا

رضا آپ کا لقب تھا۔ ۱۱ ذی قعدہ ۱۴۸ھ میں متولد ہوئے اور اپنے والد بزرگوار کے بعد امامِ خلق ہوئے۔ اور مسلمانوں کو جو اس گھرانے سے وابستہ تھے۔ شریعت اور احکامِ دین کی تعلیم دینے میں مصروف ہوئے۔ آپ کے علم اور عبادت کی وجہ سے سب آپ کی عزت کرتے تھے۔

## مامون کی ولیعہدی

حضرت کے زمانہ میں خاندان بنی عباس کا مشہور بادشاہ مامون رشید تھا۔ اُس نے ۲۰۱ھ میں حضرت امام علی رضا کو اپنا ولی عہد قرار دیا اور حضرت کو مدینہ سے خراسان بلایا اور خلافت قبول کرنے پر اصرار کیا۔ مامون کی یہ سیاسی چال تھی۔ امام نے انکار فرمایا۔ مامون نے بہت اصرار کیا تو حضرت نے اس شرط پر ولی عہدی کو قبول کیا کہ نہ کسی کو مقرر کروں اور نہ کسی

آپ نے ولی عہدی کو اُس وقت جب کہ ماموں نے تشدد کرنا شروع کر دیا۔ منظور تو کر لیا۔ لیکن اپنے خاندان کی سادگی احکامِ شریعت اور مذہبِ حق کی تعلیم کو نہیں چھوڑا۔
ماموں کے زہر سے ۱۷ / صفر ۲۰۳ھ میں حضرت کی شہادت ہوئی۔

مدینہ سے چلنے لگے تو اپنے فرزند حضرت علی نقیؑ کو اپنا وصی اور خلیفہ قرار دیا۔ کتبِ الٰہی کے علوم وغیرہ سپرد فرمائے اور مدینہ سے روانہ ہو کر ۹ر محرم ۲۲۰ھ کو بغداد پہنچے۔ معتصم نے اسی سال حضرت کو شہید کر دیا۔ آپ کی تاریخ شہادت ۲۹ر ذی قعد ۲۲۰ھ بتائی جاتی ہے۔ اُس وقت آپ کی عمر ۲۵ سال تھی حضرت کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی بی بی ام الفضل نے زہر دیا تھا۔

(نور الابصار شبلنجی ص ۱۶۳)

# دسویں امام علیؑ بن محمدؑ بن علیؑ بن موسیٰؑ

آپ کا لقب نقی تھا اور اپنے والد کے بعد امام خلق ہوئے اور مسلمانوں کو شریعت اور احکام دین کی تعلیم دینے لگے۔

حضرت امام علی نقیؑ اپنے زمانہ کے سب سے افضل انسان تھے جو از روئے علم و فضل اپنے والد کے وارث ہوئے۔

(صواعق محرقہ ابن حجر ہیثمی مکی ص ۱۲۳)

متوکل بادشاہ عباسی نے آپ کو مدینہ میں رہنے نہیں دیا اور ۲۴۳ھ میں اپنے پایۂ تخت سامرہ میں بلا کر نظر بند کر دیا۔

حضرت امام علی نقیؑ ۳ رجب ۲۵۴ھ میں خلیفہ معتز باللہ کے زمانہ میں زہر سے شہید کئے گئے۔

(تذکرہ خواص الائمہ سبط ابن جوزی)

گیارہ سال بعد حضرت کی شہادت ہوئی اور سامرہ ہی میں دفن کئے گئے۔

(صواعق محرقہ ابن حجر مکی ص ۱۲۴)

# گیارھویں امام حسنؑ بن علیؑ بن محمدؑ

آپ عسکری اور ہادی کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں حضرت ۱۰ ربیع الثانی ۲۳۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ۲۳ سال کی عمر تک اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں رہے اور رجب ۲۵۴ھ میں حضرت کے انتقال کے بعد مسلمانوں کے امام قرار پائے۔

حضرت کو سات خلفائے عباسیہ کے جبر و ظلم کا مقابلہ کرنا پڑا۔ آپ کی ولادت کے وقت واثق باللہ بادشاہ تھا۔ اس کے بعد متوکل ہوا جس نے حضرت کو کمسنی میں قید میں رکھا۔ پھر آپ نے منتصر باللہ کا زمانہ دیکھا۔ اس کے بعد مستعین باللہ خلیفہ ہوا۔ اس کے بعد معتز باللہ کا عہد آیا۔ اس کے بعد مہدی باللہ کی سلطنت قائم ہوئی۔ اس کے بعد معتمد علی اللہ کا تسلط ہوا جس کے زمانہ میں حضرت کو زہر دیا گیا اور ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ میں ۲۸ برس کی عمر میں شہادت پائی۔

# عالمگیر امن و تعمیر کا آخری آسمانی رہنما

## بارھویں امام حضرت مہدیؑ حجت ابن الحسنؑ

آپ کا اصلی نام وہی ہے جو رسولؐ اللہ کا تھا۔ مگر آپ کو القاب کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔

آپ سب سے آخری امام ہیں۔ ۱۵ر شعبان ۲۵۶ھ کو سامرہ میں متولد ہوئے۔ خدا کی مصلحت یہ تھی کہ آپ کو تمام دنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھا جائے۔ آپ کے والد بزرگوار کے زمانہ میں بہت سے مخصوص صحابہ نے آپ کی زیارت کی۔ حدیثوں میں آپ کی پیدائش کی پیشین گوئی برابر ہوتی رہی تھی۔ اس لئے بادشاہ کی طرف سے آپ کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی۔ آپ کے والد کے انتقال کے بعد بہت تلاش کیا گیا کہ آپ کا پتہ چل جائے تو آپ کو قتل کیا جائے۔ مگر خدا کو اُن کا باقی رکھنا منظور تھا

تمام کوششیں ناکام ہوئیں لیکن امامت کے فرائض کو آپ نے
پورا کرنا شروع کر دیا۔
۳۲۹ھ تک آپ کی جانب سے نائب مقرر تھے جو شرعی
احکام پہنچاتے تھے اور مسئلے آپ سے دستخط کراتے تھے۔ ان
لوگوں کو "سفرا" کہتے ہیں۔ اس زمانہ کو "غیبتِ صغریٰ" کا زمانہ
کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد سے خدا کی مصلحت کا تقاضہ ہوا
کہ سفیروں کا سلسلہ بھی ختم کر دیا جائے۔ اسے "غیبتِ کبریٰ"
کہتے ہیں۔

حضرت کے موجود ہونے کی بہت سی دلیلیں ہیں۔ حضرت رسولِ
خدا کی مشہور حدیث اس کا سب سے بڑا ثبوت ہے وہ حدیث
یہ ہے۔

مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِہٖ فَقَدْ مَاتَ مِیْتَۃً جَاھِلِیَّۃً

(ترجمہ) جو شخص اپنے زمانہ کے خلیفہ و امام کو بغیر پہچانے ہوئے
مر جائے تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔
(کنز العمال و شرح عقائد وغیرہ)

اس سے ظاہر ہوا کہ ہر زمانہ میں خدا کا مقرر کیا ہوا ایک
امام رہے گا جس کی معرفت لوگ حاصل کرتے رہیں گے۔

ورنہ یا تو معاذ اللہ حدیثِ رسولؐ غلط ہے اور یا سب کفر کی موت مرتے ہیں اور یہ ناممکن ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت موجود ہیں۔

آپ کے وجود کی برکت سے مخلوقِ خدا کو نجات کی راہ مل رہی ہے۔ جب حکمِ خدا ہوگا آپ ظہور فرمائیں گے۔ اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔

## ظہور کی نشانیاں

ظہورِ حضرتِ قائم آلِ محمدؐ کی علامات بہت سی ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) آپ کے ظہور کی پہلی علامت خروجِ سفیانی ہے جو اپنی تیس ہزار فوج شہر مکہ پر حملہ کرنے کے لئے بھیجے گا۔ وہ کل آٹھ ماہ حکومت کرے گا اور آخر میں تباہ ہوگا اور امام مہدی آخر الزماں علیہ السّلام کا ظہور اسی سال ہوگا۔

(۲) آپ کے ظہور سے پہلے ایک منادی پکارے گا۔ "اہلِ دنیا امامِ منتظر نے ظہور فرمایا۔"

یہ آواز عربی زبان میں ہوگی جس کو ہر ملک کا باشندہ اپنی اپنی

زبان میں سمجھ لے گا۔ آپ شوال کے مہینے میں ظہور فرمائیں گے آپ کی بیعت مکہ میں رکن و مقام کے درمیان واقع ہو گی۔ تین سو تیرہ مومنین اُس وقت آپ کی بیعت کریں گے۔ اور وہ سب کے سب جوان ہوں گے۔ آپ کوفہ کو اپنا دارالحکومت بنائیں گے اور شہر کوفہ کی پشت پر ایک مسجد بنائیں گے جس کے ہزار دروازے ہوں گے۔

ابوبصیر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ امام مہدی آخرالزماں علیہ السّلام کا ظہور کب ہوگا؟ آپ نے فرمایا۔ اے ابوبصیر! ہم اہلبیت کے امر کے لئے کوئی وقت قرار نہیں دیا جاسکتا جناب رسالتمآب نے قیامِ قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کا دن مقرر کرنے والے کو جھوٹا اور مفتری قرار دیا ہے۔ مگر ہاں ابوبصیر اس واقعہ کے ہونے سے پہلے پانچ علامتیں ضرور ظاہر ہوں گی۔

۱- وہ ندا جو سب سے پہلے ماہِ رمضان میں سنی جائے گی۔

۲- خروجِ سفیانی

۳- خروجِ دجال

۴- نفسِ زکیہ کا قتل

۵- دو قسم کے طاعون کا ایک مرتبہ ظاہر ہونا۔ ایک طاعونِ سفید

دوسرا رُخ۔

جب نماز کا وقت ہوگا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی موجود ہوں گے۔ آپ اُن کی طرف دیکھیں گے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کہیں گے۔

"فرزندِ رسُول آگے بڑھیے اور ہمیں نماز پڑھایئے۔"

آپ آگے کھڑے ہوں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام آپکی اقتدار میں نماز پڑھیں گے۔

# خاتمہ

اُس وقت تک جب کہ انسان کو مذہب کا تصور نہیں ملا تھا اس کی زندگی میں کوئی ضابطہ، قانون اور اصول نہ تھا۔ مذہبی تصور نے اس میں ایک ایسا شعور پیدا کیا جو اخلاق و بد اخلاقی حق و باطل، رحم و ظلم میں امتیاز کرنے لگا۔ اور جیسے جیسے خدا کی طرف سے رہبر بھیجے گئے۔ یہ تصور زیادہ قوی ہوتا گیا۔

دنیا کا کوئی آسمانی مذہب نہیں جو اپنے معتقدین کو امن و صلح اخلاق و مساوات، انسانوں سے ہمدردی اور جانوروں پر رحم کی تلقین نہ کرتا ہو۔ مثلاً حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، اور دوسرے پیغمبرانِ دین کی تعلیمات میں زبانوں کا فرق ضرور ہے مگر تعلیم ایک ہی ہے

آج کی دنیا امن کی متلاشی ہے۔ جمہوریت اور کمیونزم کی دل دادہ ہے۔ مگر کیا کبھی کسی نے اس پر بھی غور کیا ہے کہ یہ

نظام دراصل کیا چیز ہے۔ اُن کی حقیقت کیا ہے؟ کسی مذہبی پیشوا پر اور اُس کی تعلیمات پر غور کیا جائے تو اُس کا نقطۂ نظر یہی ہے کہ:۔

۱۔ اخلاق و مساوات برتو
۲۔ کمزوروں اور مظلوموں کی مدد کرو۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ اس کی وضاحت جتنی اسلام نے کی دوسرے مذاہب نے نہیں کی۔

اس وقت کی ترقی پسند دنیا جو مذہب کو ایک ڈھونگ سمجھتی ہے۔ دراصل نہیں کوئی ٹھوس اور پائندہ ترضابطہ اور اصول نہیں ہے۔ اس کا دستورِ حیات اس وقت تک مکمل نہیں ہے جب تک اُسے کسی آسمانی پیشوا کی رہبری حاصل نہیں۔

## دین کے معنی کیا ہیں؟

دین کے معنی تنگ نظری یا محدود خیالی کے نہیں ہیں دین قانونِ زندگی کا نام ہے۔ اس کا پیام ہے وسیع النظری، میل ملاپ، امن و صلح، محبت، تہذیب اور مساوات۔ دین کے تصور کے بغیر صحیح معنی میں انسانی ارتقا حاصل نہیں ہو سکتا۔

قرآنِ مجید نے نظامِ حکومت پیش کیا۔ سرورِ کائنات نے قرآن کے ریاستی نصب العین کو حدیث کے ذریعہ شرح و لبسط کے ساتھ دنیا کے سامنے رکھا۔ اور حضرت علیؑ نے قرآن و حدیثِ پیغمبر کے ماتحت اس کو اور پھیلایا اور آئمہ طاہرین نے اُس کی مزید تشریح کی اور اپنے اپنے عہد میں بدلتے ہوئے حالات کے ماتحت اسلام کی سیاست اور ریاست کی ابدی قدروں کو پیش کیا

## حضرت علیؑ کی سیاست

آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل حضرت علیؑ نے ان اصولوں کو جتنے نمایاں طور پر قوم کو سمجھایا۔ اگر مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ جمہوریت اور اشتراکیت کی خوبیاں اسلام ہی سے مستعار ہیں اور نقائص ان کے ذاتی ہیں۔ اگر دنیا صحیح معنوں میں مذہب کو جذب کر لے۔ اس کا مقصد سمجھ لے تو دنیا میں کبھی فساد نہیں ہو سکتا اس موقع پر اسلام کے اصول کا تحریر کرنا اور اُن کا مقابلہ جمہوری اور اشتراکی اصول سے کرنا بے حد ضروری ہے حضرت علیؑ نے اسلامی نظامِ حکومت کے بارے میں جو ارشادات فرمائے ہیں۔ اُن کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) حاکم کو چاہیئے کہ وہ طریقہ اختیار کرے جو بلحاظ حق و صداقت، عدل و مساوات، عمومیت رکھتا ہو اور عوام کی رضامندی کا سبب ہو۔

جمہوریت میں بھی یہی کہا جاتا ہے کہ عوامی حکومت ہے۔ حاکم کو عوام کا اعتماد حاصل ہونا چاہیئے۔ عدم اعتمادی کی صورت میں اسے اپنے عہدے سے برطرف ہونا پڑے گا مثلاً ہندوستان کے آئین میں ہے کہ ہند پارلیمنٹ کے ⅔ ممبران اگر عدم اعتماد کا ووٹ دے دیں اور دوسری مجلس کے ممبران اس کی تائید کر دیں۔ اس دن سے پریذیڈنٹ اپنے عہدے سے برطرف سمجھا جائے گا یعنی اگر عوام کی رضامندی اسے حاصل نہیں تو وہ اپنے عہدے پر نہیں رہ سکتا۔

(۲) اسلام میں اہل صنعت و حرفت کے حقوق محفوظ کیئے گئے ہیں۔

کمیونزم میں ان کے حقوق کے تحفظ کی کوشش کی گئی ہے مثلاً (Stalin Constitution میں ! (Article 119

کے ماتحت فیکٹریوں میں کام کرنے والوں کے لیئے آٹھ گھنٹے سے گھٹا کر ۶ یا ۷ گھنٹے کر دیئے گئے ہیں اور کانوں میں صرف ۴ گھنٹے رکھے ہیں اور کوشش کی ہے کہ اس حق کو محفوظ رکھا جائے۔

(۳) پست طبقات کے لیئے حقوق محفوظ کیئے۔ یہ طبقات بیمار، مسکین، اپاہج اور فقیروں پر مشتمل ہیں۔ حضرت علی عہ نے فرمایا ہے کہ ان کے لیئے اللہ کا وہ حق محفوظ رکھو جس کی حفاظت کا اس نے تمہیں حکم دیا ہے۔ اُن کی امداد کرو اور ان کی جانب سے اپنی توجہ نہ ہٹاؤ۔ اپنا رُخ اُن کی طرف سے نہ موڑو۔ جن کو آنکھیں دیکھنا پسند نہ کرتی ہوں اور لوگ حقیر سمجھتے ہوں اُن کی خبر گیری کرنا ضروری ہے کیونکہ تمام رعیت میں یہ لوگ سب سے زیادہ انصاف کے محتاج ہیں اِن یتیموں اور سن رسیدہ لوگوں کی مدد کرو جو اپنی معاش کے لیئے کوئی ذریعہ نہیں رکھتے۔

کیمونزم میں اگر ان کے حقوق کا تحفظ کیا گیا تو یہ کوئی جدت نہیں ہے مثلاً Article 120 کے ماتحت

Every citizen of the U.S.S.R. has the right to maintenance in old age and also in sickness & disability

یہ حق کوئی نیا نہیں۔ آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل اس حق کا تحفظ کیا جا چکا ہے۔

(۴) فوج اور پولیس کے لئے فرمایا ہے کہ یہ رعیت کے لئے قلعہ اور جائے امن و امان ہیں۔ اجتماعی اور تمدنی حالت بغیر ان کے قائم نہیں رہ سکتی۔

یہی خیال کمیونزم میں بھی ظاہر کیا گیا ہے۔ آئین کے Article 132 کے ماتحت

Military Service in the Armed Forces of the U.S.S.R is an honourable duty of the citizen of U.S.S.R.

یعنی فوجی خدمت ہر شہری کا ایک معزز فرض ہے۔

(۵) اسلام میں جس طرح "دفاعی جنگ" کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ کمیونزم نے بھی یہی کہا ہے۔ آئین کے Article 133 کے ماتحت

To defend the country is the sacred duty of every citizen of U.S.S.R.

ملک کو بچانا ہر شہری کا فرض ہے۔

لیکن کیا اسلام اور کمیونزم کو ایک نظر سے دیکھا جا سکتا ہے؟

ایسا ہرگز نہیں ہے۔ کمیونزم میں خدائے بزرگ و برتر کا تصور نہیں ہے۔ مطلق العنانیت ہے۔ جب دولت کی معمولی زیادتی انسان میں تکبر پیدا کر دیتی ہے۔ تو جب امانت کے ساتھ کچھ اختیارات بھی شامل ہو جائیں تو پھر اس کی دست درازیوں کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ خدا کا تصور حاکم کو مطلق العنان نہیں ہونے دیتا۔ اس لئے حضرت علیؑ نے حاکم کے لئے فرمایا کہ

"جب کبھی ریاست و امارت دل میں تکبر اور غرور پیدا کر دے تو سوچے اس پر اللہ کی حکومت کتنی عظیم الشان ہے"

اسلام کو کمیونزم کی خامیوں کا کس دن احساس نہیں ہوا مگر کمیونسٹ اسلام کو ایک ڈھونگ سمجھتے رہے ہے۔

## کارل مارکس KARL MARX

کارل مارکس نے (MATERIALISM) میٹریئلزم پیش کیا جو دو (THEORIE) پر مشتمل ہے۔

تحریکِ انقلابیت (DIALECTICAL THEORY)

It reveals the transitory character of everything in everything.

(HISTORICAL THEORY) ایک سسٹم سے دوسرا بڑا سسٹم نکلتا رہتا ہے۔

It shows that how, out of one system of social life another higher system develops — how capitalism grows out of feudalism

مارکس نے جو (Proletarian Programme) پیش کیا وہ کچھ کمزور تھا۔

لینن V. I. LENIN

نے س میں اور اضافہ کیا۔ مثلاً

(۱) زمینداری سسٹم (LAND ABOLITION)

To make collectivistic farms

(۲) چھوٹی صنعتوں کو منتظم کیا۔ (Co-operatives)

Small scale industries should be organised

(۳) انتخاب شروع ہوئے (SOVIETS)

These are elected bodies

(۴) بڑی صنعتوں کا ارتقاء (PLAN-ECONOMY)

Which insists in heavy industry

# اسٹالن

Stalinism in the mean is a development of Marxism & Leninism in Russian History

اسٹالن (STALIN) کو حقیقت میں ان نظریوں کو عملی جامہ پہنانے کا موقع ملا۔ ۱۹۵۳ء میں اسٹالن کا استبدادی دور ختم ہوا۔ اسٹالن کی موت پر امریکہ کے سکرٹری آف سٹیٹ (Mr. Dulles) نے کہا کہ یہ Mr. Stalin کی نہیں "Mr. Communism" کی موت ہے۔ کیونکہ دراصل اس میں کوئی ٹھوس اور باضابطہ اصول نہیں ہے۔

آخر (N. Khrushchev) کروشیف نے جو کہ کمیونسٹ پارٹی کے سکرٹری ہیں۔ کمیونسٹ پارٹی کے بیسویں سالانہ اجلاس میں جو ماسکو میں منعقد ہوا۔ کمیونزم کی حقیقت کو بے نقاب کیا اور اسٹالن کی (Cult of Personality) کی مذمت کی۔ ۸ر مارچ ۱۹۵۶ء کو نام طور پر یہ تقریر پڑھی گئی۔ ۱۵ر اپریل کو (MALANKOV) مالنکوف نے کہا۔ Now we have collective leadership, we believe that this principle of collective leadership & criticism of cult of Personality will yield good results.

یعنی اب ایک شخص رہنمائی نہیں کرے گا بلکہ مجموعی حیثیت سے رہنمائی کی جائے گی. ہمیں یقین ہے کہ اس کے اچھے نتائج ظاہر ہوں گے۔

چین نے بھی اس تحریک کی حمایت کی. بلکہ اُس نئی تجویز پر بھی کیا خوب تنقید کی ہے کہ Mistakes had been made in the past and would probably be made in the future.

غلطیاں ماضی میں بھی ہوئیں اور شاید مستقبل میں بھی ہونگی چین نے اس بات کا بھی انکشاف کیا کہ Stalin also failed to pay proper attentions to the further development of agriculture and the material welfare of the peasantry

مسٹر اسٹالن اس میں بھی ناکام رہے کہ وہ ایک خاص توجہ زراعت کو ترقی دینے میں اور کسانوں کی حالت کو بہتر بنانے میں دیتے۔

مختصر یہ کہ کمیونزم اب محتاج شرح نہیں رہا۔ خود اُسے اپنی خامیوں کا احساس ہو گیا ہے۔ اب ایسے بے بنیاد اصول کس طرح

لائق تقلید ہو سکتے ہیں۔ اسلام کا استحکام اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ساڑھے تیرہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی اُس کے اصولوں میں کوئی فرق نہیں آیا اور آج بھی اسی طرح مستحکم ہے۔

اگر نظامِ زندگی اسلام کے سانچے میں ڈھالا جائے تو جو نقائص جمہوریت اور دوسرے رائج الوقت نظاموں میں ملتے ہیں اُن کا وجود نہ ہو۔ اور زندگی کی بنیادیں یقین، حق، خیر، صداقت اور نیکی پر ہوں۔ انسانیت غلط نظاموں کی وجہ سے جو شدید ترین تکالیف جھیل رہی ہے اور اُس کا قدم بجائے آگے بڑھنے کے پیچھے پڑ رہا ہے اُس کی نوبت نہ آئے۔

اسلام نے صرف IDEAL اور معیار ہی پیش نہیں کیا سیاست کے اصول ہی نہیں بتائے۔ بلکہ سرور کائنات اور آئمہ طاہرین کی زندگی کے تقریباً ڈھائی سو سال نے سیاست کے اسرار اور حقائق کو عملی جامہ بھی پہنایا۔ حالانکہ سوائے امیر المومنین اور چند دن امام حسن علیہ السلام کے اور کسی امام کو حکومت سنبھالنے کا موقع نہیں ملا، لیکن ڈھائی سو سال میں ان حضرات نے اپنی زندگی کے ہر لمحہ میں یہ ثابت کیا کہ انسان

پر انسان کی حکومت ناقابلِ تسلیم ہے۔ اور انسان کو اس ذلت و عار کے قبول کرنے سے ہر ممکن طریقے سے انکار کرنا چاہیئے انسان خدا کی مخلوق ہے۔ صرف اسی کے بنائے ہوئے آئین سے حکومت کی جا سکتی ہے۔ اور اس طرح عالمگیر برادری امن وار تقار کے شیریں خواب کی صحیح و حقیقی تعبیر بنی نوع انسان کے سامنے آ سکتی ہے۔

تمت

# مطبوعاتِ پاکستان حسینی مشن

| | | قیمت |
|---|---|---|
| ۱- | اہلبیت کا احسان | ۸/ |
| ۲- | حکیم الٰہی علی ابن ابی طالب | 〃 ۱۲/ |
| ۳- | شاہزادۂ یثرب عالمِ ہجرت میں (حصہ اول) | 〃 ۱۲/ |
| ۴- | شاہزادۂ یثرب عالمِ ہجرت میں (حصہ دوم) | 〃 ۱۲/ |
| ۵- | مختصر اعمال ماہِ رمضان | مفت |
| ۶- | بارگاہِ حسینی میں عقیدت کے چند پھول | مفت |
| ۷/ | مقتلِ ضحاکِ مشرقی | 〃 ۵/ |
| ۸- | اہلبیتؑ اور اسلام | 〃 ۸/ |
| ۹- | مسلمانوں کے مذہب پر مختلف غیر اسلامی ثقافتوں کے اثرات | 〃 ۱عہ/ |
| ۱۰- | قرآن اور جغرافیائی مسائل | 〃 ۸/ |

ملنے کا پتہ:
- ناظمِ اعلیٰ پاکستان حسینی مشن پی ۰ ۴ ۱۱ اسید پور روڈ راولپنڈی
- پاک کتب خانہ اردو بازار راولپنڈی
- ادارۂ معارفِ اسلام ڈبی بازار لاہور

# مطبوعاتِ ادارۂ معارفِ اسلام

| | | قیمت |
|---|---|---|
| ۱- | محرم اور آداب عزا یعنی حسینؑ اور غم حسینؑ | |
| ۲- | حکومتِ ربانی، مکمل تاریخِ اسلام کا نچوڑ | ۸/ |
| ۳- | نوائے اقبال، مسلمانوں کے زوال کے اسباب | ۸/ |
| ۴- | عصمتِ انبیاء (عقلی و نقلی جواز) | ۸/ |
| ۵- | مہدی موعود، ظہور حضرت امام مہدی آخر الزماں | ۴/ |
| ۶- | اقتصادی مشکلات کا حل | ۴/ |
| ۷- | مقتلِ حسینؑ از علامہ سیوطی و دیار بکری | ۴/ |
| ۸- | قوانین شرعیہ (نکاح، طلاق و وراثت وغیرہ) | ۴/ |
| ۹- | ذکر بہا۔ بہائی مذہب والوں کی سرگرمیاں | ۵/ |
| ۱۰- | ضرورتِ اتحاد، اہلِ اسلام کو متحد ہونے کا مشورہ | ۲ |
| ۱۱- | رجسپٹ ٹریٹیز (انگریزی) | ۱/ |

۱۲- دلیلِ الفرقان قیمت ۱۲؍ (محصول ڈاک بذمہ خریدار)

ملنے کا پتہ:
ادارہ معارفِ اسلام (رجسٹرڈ) ڈبی بازار لاہور
ناظمِ اعلیٰ پاکستان حسینی مشن پی ۴۰ ۱۱ سید پور روڈ راولپنڈی

# اعلان

قومِ شیعہ کے مائیہ ناز مورخ اور اہلِ قلم عالی جناب
آغا محمد سلطان مرزا دہلوی ایم اے ایل ایل، بی
مؤلف البلاغ مبین، نور المشرقین من حیاۃ الصادقین،
سیرۃ فاطمہؑ، کتاب التفریق والتحریف فی اسلام،
فلسفۂ اسلام وغیرہ کی تازہ ترین تصنیف "تحریک
حسین علیہ السلام" عنقریب شایع ہو رہی ہے

مومنین
انتظار فرمائیں

# شمعِ حسینی کے پروانوں سے

# ایک گذارش

حسینی مشن کی ممبری قبول فرما کر، مشن کے تبلیغی رسائل خرید کر اور عطیات مرحمت فرما کر آپ اس مقدّس مشن کی حمایت کر سکتے ہیں جسے اُس محسنِ انسانیت کے باعظمت نام سے منسوب کیا گیا ہے

جس نے

اعلائے کلمۃ الحق

کے لئے

اپنی ہر عزیز شے کو قربان کر دیا تھا